تذکرۃ العلماء والمشائخ

جس میں لاہور کے قریباً سوا سو علمائے کرام اور مشایخ عظام کا ذکر ہے۔ جو پانچویں صدی ہجری یعنی عہد دولت غزنویہ سے لیکر پندرہویں صدی کے اواخر تک لاہور کو اپنی علمی مجلسوں اور برکتوں کی وجہ سے فخر البلاد بنا رہے تھے۔ انہی بوریہ نشینوں نے لاہور میں بھی وہ لوگ پیدا کئے۔ جو علمی و صوفیانہ حلقوں میں سعدی و جامی اور بایزید بنکر چمکے اشاعت علم دین اور ترویج علوم مذہب کیلئے درس جاری کئے۔ تعلیم مفت دی اور ان درسگاہوں سے بڑے بڑے علامہ، فلسفی، منطقی، فقیہ، محدث، شاعر، درویش نواز و حق گو اہل علم پیدا ہوئے۔ کتاب کے آخر میں چند نامور علامہ عورتوں کے علم و فضل کا بھی تذکرہ ہے۔ جنکی علمی مجلسوں نے لاہور میں علوم دینی اور ادب و شاعری کا چرچا قرنوں قائم رکھا ہے ○

مرتبہ

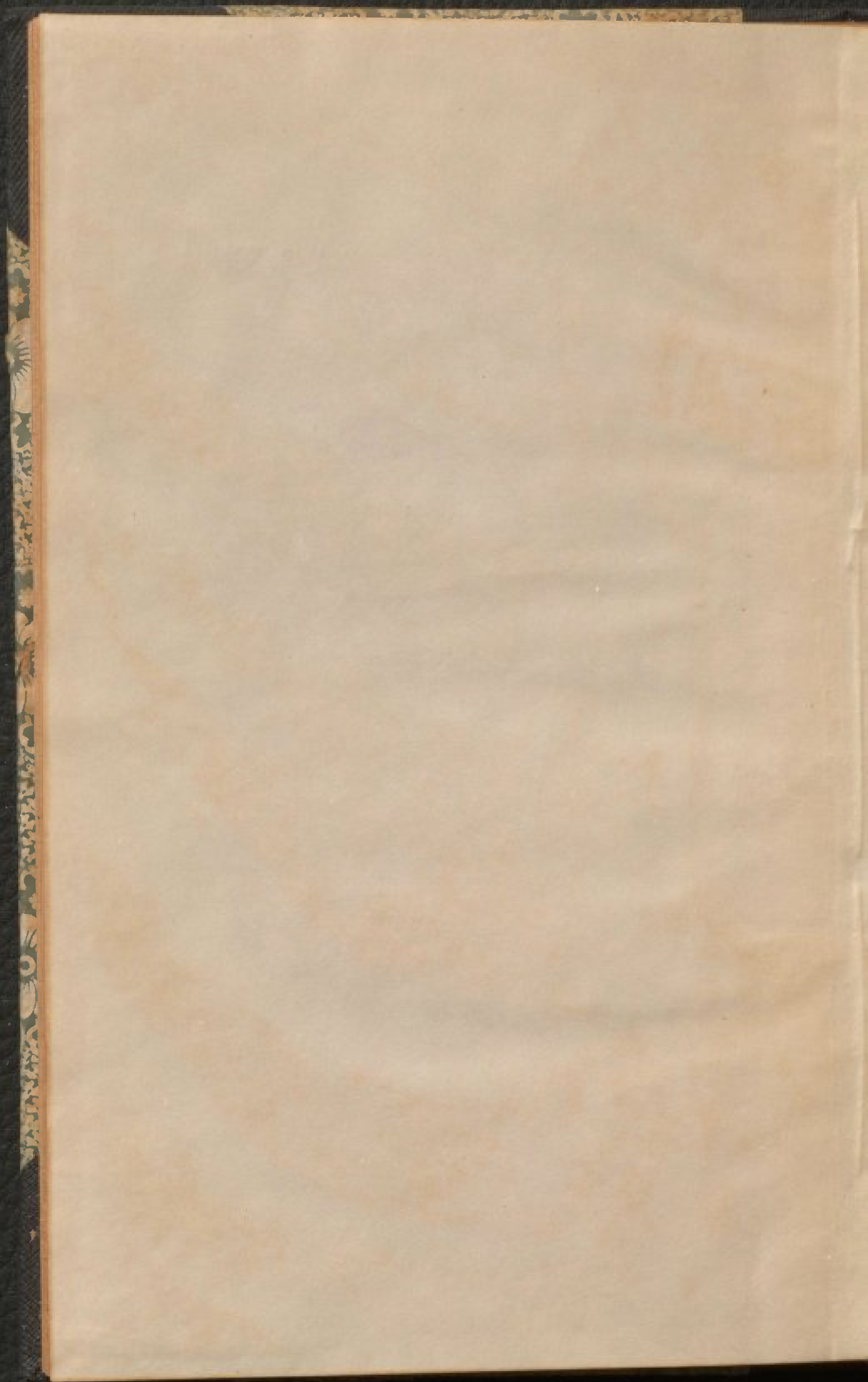
محمد الدین فوق ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور

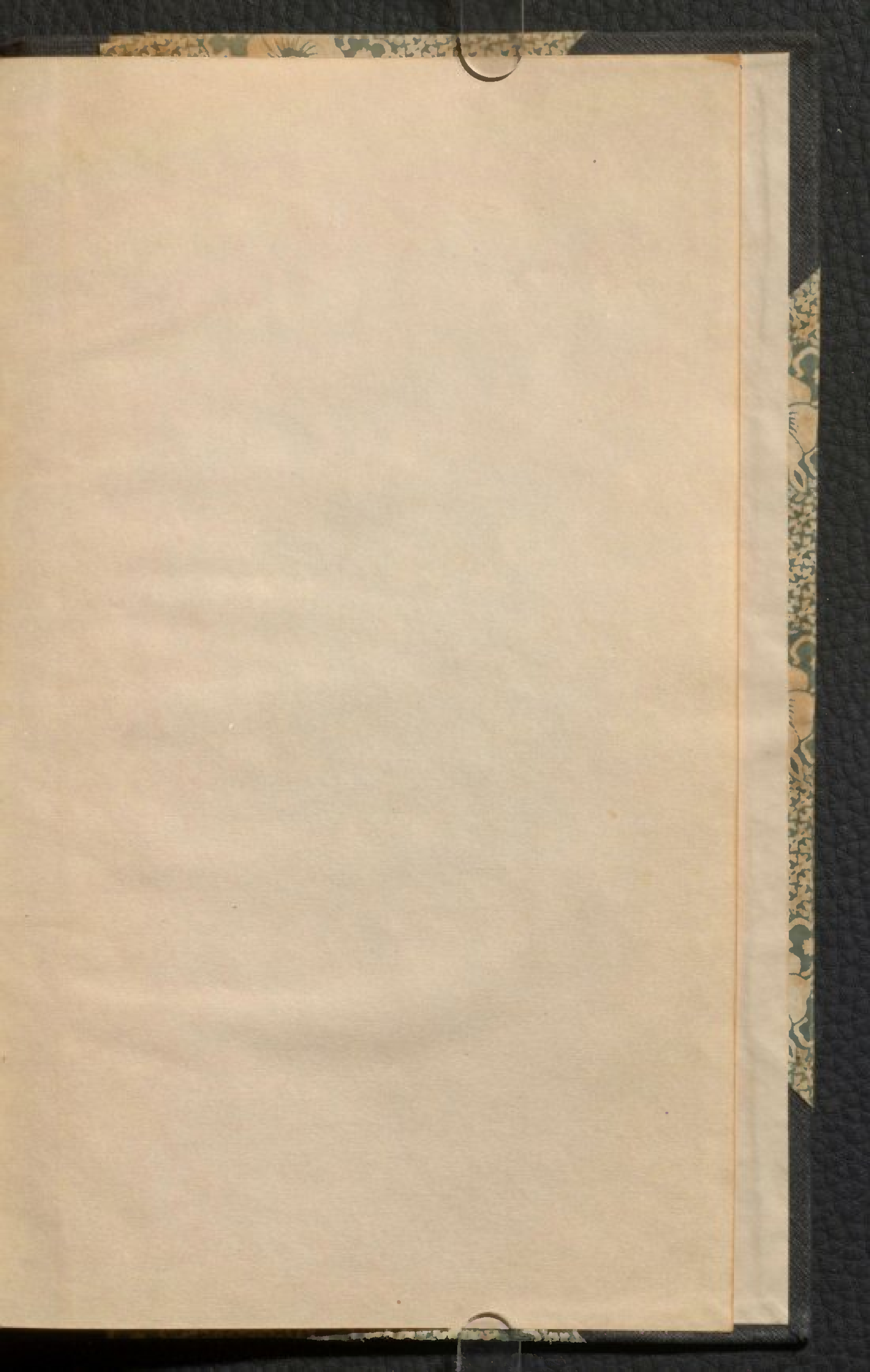
۱۳۳۸ھ مطابق سنہ ۱۹۲۰ء میں

مطبع محمدی سٹیم پریس لاہور میں باہتمام شیخ گلزار محمد پرنٹر چھپا

قیمت فی جلد

بار اول





تذکرۃ العلماء والمشائخ

جس میں لاہور کے قریباً سوا سو علمائے کرام اور مشایخ عظام کا ذکر ہے۔ جو پانچویں صدی ہجری یعنی عہد دولت غزنویہ سے لیکر پندرہویں صدی کے اواخر تک لاہور کو اپنی علمی مجلسوں اور برکتوں کیوجہ سے فخر البلاد بنا رہے تھے۔ انہی بوریہ نشینوں نے لاہور میں بھی وہ لوگ پیدا کئے۔ جو علمی و صوفیانہ حلقوں میں سعدی و جامی اور بایزید ہو گزرے۔ اشاعت علم دین اور ترویج علوم سبھی کیلئے درس جاری کئے۔ تعلیم مفت دی اور ان درسگاہوں سے پھر بڑے بڑے علامہ فلسفی منطقی فقیہہ محدث شاعر درویش نواز و حق گو اہل علم پیدا ہوئے۔ کتاب کے آخر میں چند لاہوری عالمہ عورتوں کے علم و فضل کا بھی تذکرہ ہے جنکی علمی مجلسوں نے لاہور میں علم دین اور ادب و شاعری کا چرچا عرصہ تک قائم رکھا ہے۔

مرتبہ

محمد الدین فوق ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور

سنہ ۱۳۳۸ھ مطابق سنہ ۱۹۲۰ء میں

گلزار محمدی سٹیم پریس لاہور میں باہتمام شیخ گلزار محمد پرنٹر چھپا

قیمت فی جلد

بار اول

پیشکش

مَیں اپنی اِس ناچیز تصنیف کو لاہور کے خاندان چشتیہ کے نامور علم دوست اور پنجاب کے مشہور اہلِ قلم جناب مولوی محرّم علی صاحب چشتی وکیل لاہور کی خدمت میں نہایت ادب و خلوص کے ساتھ نذر کرتا ہُوں

ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

۱۴ - مارچ سنہ ۱۹۲۰ء

محمد الدین فوق

فہرست مطبوعہ تصنیفات ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور

سوانحعمریاں تاریخی کتب و سفرنامے

- سوانحعمری ایڈورڈ ہفتم ۶ر
- تان حسین کے حالات ۴ر
- تاریخ ملتان ۲ر
- راجہ بیربر ۴ر
- راجہ ٹوڈرمل ۴ر
- تذکرہ خواتین دکن ۸ر
- تذکرۃ العلماء والمشائخ ۱۰ر
- حالات نواب دبیر الدولہ ۶ر
- تذکرہ حضرت داتا گنج بخش ۱۰ر
- علی و بیارہ کے حالات ۴ر
- حیات فرشتہ ۳ر
- نور جہاں و جہانگیر ۲ر
- ناہر سلطان [illegible] سلطان کی سوانحعمری

- حالات مہاراجہ رنجیت سنگھ ۱۲ر
- حالات مولانا روم ۱۲ر
- حالات شمس تبریز ۸ر
- تذکرہ سلطان زین العابدین بادشاہ کشمیر
- مکمل تاریخ کشمیر حصہ اول عہ دوم عہ سوم ۱۰ر
- مشاہیر کشمیر ۱۲ر
- رہنمائے کشمیر
- تمدن کشمیر ۸ر
- حالات مہاتما بدھ ۶ر
- تاریخ ریاست ہائے کہیل کھنڈ و تحقیقات طلسم کاو ۸ر
- شالامار باغ لاہور ۸ر
- آفتاب بندھیل کھنڈ سر مہاراجہ
- رنجور سنگھ بہادر ۴ر
- والی ریاست راجہ گڈھ کی سوانحعمری ۲ر

ناول

- ناول عبرت آرہ ۸ر کلام ۱۲
- ۱۲ر مسٹر آف ادرتہ عہ غم نصیب ۱۲ر
- ۴ر مہذب ڈاکو ۸ر محروم تمنا ۸ر
- خطرۂ جان ۸ر اکبر جدید تاریخی نا[ول]
- ۸ر رام کہانی ۷ر

اخلاق و تصوف

- تذکرہ اصحاب کہف [illegible]
- تاریخ شفقت و مختف [illegible]
- امتحان پاس کرنیکا گر ۲ر تحفہ چرغان ۴ر
- یاد رفتگان [illegible] ترمیم ۱۲ر

نظم و شاعری

- باغ گلشن مکمل ۸ر ایشیائی شا[عری]
- کی الوداع ار کلام فوق معہ تصو[یر] ۸ر

المشتہر:۔ کشمیری ایجنسی حلقہ نمبر ۲۴ لاہور

تذکرۂ علمائے لاہور

دیباچہ

تصنیف کا خیال کس طرح ہوا؟ میں جولائی ۱۹۱۹ء میں ڈھاکہ (بنگال) میں تھا۔ جہاں عالیجناب خان بہادر خواجہ محمد اعظم صاحب رئیس اعظم اور حکیم محمد حبیب الرحمٰن صاحب کی توجہات و دوست پروری کے حلم پر کیف لے وہ سرور بخشا۔ کہ دنیا و مافیہا تو نہیں البتہ افکار لاہور لوح دل سے محو ہو گئے۔ حکیم صاحب کے پاس علمی فن خانہ (قلمی و مطبوعہ) لاتعداد موجود ہیں۔ خان بہادر صاحب بھی ایک علم دوست رئیس ہیں۔ اس لئے میں نے قیام ڈھاکہ کے تین ہفتے مشاغل تفریح سے زیادہ مطالعہ کتب میں بسر کئے۔ مآثر الامراء اور بعض اور کتب میں لاہور اور اہل لاہور کے اکثر تاریخی حالات نظر آئے حکیم صاحب نے ایک کتاب سبحۃ المرجان نام (عربی) بھی دکھائی جس میں بعض علمائے لاہور کا ذکر تھا۔ اسی جگہ تاریخ لاہور اور تاریخ علمائے لاہور لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ تاریخ لاہور تو خدا جانے کب شروع اور کب ختم ہو۔ کیونکہ اس کے لئے تفکرات لاہور سے طویل فرصت کی ضرورت ہے "علمائے ... کے حالات میں نے ڈھاکہ ہی میں شروع کر دیئے۔ واپسی پر ایک ہفتہ تک کلکتہ میں قیام رہا۔ کچھ حالات وہاں لکھے۔ اور زیادہ حصہ (جب کبھی فرصت ملی) لاہور میں ترتیب دیا ◆

عرصہ ہوا۔ میں نے ایک کتاب "یادِ رفتگان" کے نام سے لکھی تھی۔ جس میں اُن بزرگانِ دین و صوفیائے کرام کے حالات درج تھے جنہوں نے اپنے حسن علم و عمل اور خلقِ محمدی سے اشاعتِ اسلام کو مدد دی۔ یہ وہ لوگ تھے جو حقیقتاً مبلغینِ اسلام تھے جنہوں نے آنحضرت صلعم کے اسوہ حسنہ کا نمونہ دکھا کر زبانِ حال سے ہر نامسلمان کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ اور جن کی دعوت اکثر قبول کی جاتی تھی۔ "یادِ رفتگان" تین مرتبہ چھپ کر مقبولِ عام ہو چکی ہے ◆

اس تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟ اب میں نے لاہور کے علمائے اسلام کا تذکرہ لکھا ہے۔ اس سے یہ دکھانا مقصود ہے۔ کہ گذشتہ زمانہ میں علمائے اسلام نے ترویجِ علوم اور اشاعتِ تعلیم میں کیسی کچھ جانفشانیاں کی ہیں۔ اور یہ کہ لاہور ازمنہ سابقہ میں کس طرح علم کا گہوارہ رہا ہے۔ اور اس کی درسگاہوں سے کیسے کیسے لوگ

باکمال ہوکر نکلے۔ اور اس خطۂ پاک میں کیسے کیسے صاحبانِ علم و فضل موجود تھے۔ جو لاہور کو دارالسرور بنا رہے تھے۔ علم و فضل کی وہ قدر تھی۔ اور حُسنِ عمل کی یہ کشش تھی۔ کہ بادشاہ خود عالموں سے ملاقات کرنے آتے تھے۔ ان کو بلواتے تھے۔ تو اُن کی عزت کرتے تھے۔ اور علماء بھی ایسے با ایثار نفس اور بے غرض تھے۔ کہ اس عزت پر اتراتے نہیں تھے۔ بلکہ کہتے تھے۔ اب ہمیں آئندہ تکلیف نہ دیا کرو۔

بعض علماء اور معلمین کو ترویج علوم کے لئے خزانۂ شاہی سے وظائف ملتے۔ جو مددِ معاش کہلاتے۔ جن کے عوض وہ لاہور ہی میں بیٹھ کر فارغ البالی کے ساتھ بغیر کسی معاوضہ یا اُجرت کے مشغول درس و تدریس رہتے تھے۔ علاوہ علماء و معلمین کے طلباء اور متعلمین کے مصارف ذاتی و تعلیمی کے لئے اوقاف مقرر کئے جاتے۔ یہی وہ باتیں تھیں جنہوں نے شاہانِ اسلام کے زمانہ میں تعلیم کو ہمیشہ مُفت اور عام رکھا۔

بعض ایسے علماء بھی تھے جن کو کسی اعانت کی ضرورت نہ تھی۔ یا تو وہ فارغ البال تھے یا امداد کی پرواہ ہی نہ کرتے تھے۔ اور اشاعتِ علم کو کارِ خیر سمجھ کر اپنی زندگی کا معقول حصہ عام لوگوں کی تعلیم و فیض رسانی پر صرف کرتے تھے۔ تم کو ان علمائے لاہور میں بعض امامانِ مساجد بھی نظر آئینگے۔ وہ امام آجکل کے اماموں کیطرح نہ تھے۔ کہ تسبیح کے امام کیطرح کسی شمار ہی میں نہ ہوتے۔ بلکہ وہ صاحبانِ درس ہی تھے۔ اور ان کا درس آجکل کے بعض اماموں کی طرح صرف قرآن شریف (یعنی طوطے کیطرح) اور چھوٹے بچوں کو سیپارے اور قاعدے پڑھانے تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ وہ حدیث، فقہ اور منطق و معقول کی تعلیم دیتے تھے۔ اور اُن کا شمار شہر کے نامی علماء میں ہوتا تھا۔ اور وہ علوم و فنون کی ترقی اور افرادِ قوم کی تعلیم و تہذیب پر اپنی علمی و عملی زندگی کا بہت بڑا اثر ڈالتے تھے۔

لاہور کی علمی ترقی دہلی پر مقدم ہے

سلطان سبکتگین سے لیکر احمد شاہ دُرانی تک جسقدر مسلمان بادشاہوں نے دہلی و ہند کی تسخیر کی ہے۔ سب کو لاہور و پنجاب ہی کے رستے یہ ہفت منزل طے کرنی پڑی ہیں۔ جُوں جُوں اسلامی فتوحات ہوتی تھیں داعیانِ اسلام (صوفیاء و علماء) ہر حصۂ ملک میں پھیل جاتے اور اپنے فرائض کو بجالاتے تھے۔ سلطان مسعود غزنوی کے زمانہ میں حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ لاہور تشریف لائے۔ ان سے پہلے بھی بعض بزرگ لاہور میں موجود تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں یا اس کے کچھ بعد لاہور میں علماء و صوفیا کی وہ اہمیت و شہرت و کثرت تھی۔ کہ ان کے حالات میں ایک کتاب "تحفۃ الواصلین" لکھی گئی جس کا اب نام ہی نام کتابوں میں رہ گیا ہے۔ اصل کتاب کہیں نہیں ملتی۔

لاہور اکثر اسلامی حکومتوں کا دارالخلافہ رہا ہے۔ اور پنجاب کا دارالسلطنت تو یہ ہر زمانہ میں چلا آیا ہے۔

اسلئے مرکزی حکومت ہونیکی وجہ سے یہاں علماء و فضلاء اور ہر فن کے صاحب کمال اکثر جمع رہتے تھے۔ دہلی پر مسلمانوں کی حکومت پنجاب کے بہت عرصہ بعد مستقل طور پر قائم ہوئی ہے۔ اور باقی حصص ملک پر قبضہ دہلی کے بھی بعد اسلئے لاہور کی علمی ترقی نہ صرف دہلی بلکہ سارے ہندوستان کی علمی ترقی پر مقدم ہے چنانچہ مولانا ابوالحسنات ندوی نے اپنے ایک طویل مضمون "ہندوستان کی گذشتہ اسلامی درسگاہوں" میں بھی لاہور کی اس اولیت کا اعتراف کیا ہے۔ اور لکھا ہے "لاہور کی علمی ترقی دہلی پر مقدم ہے۔ لیکن کچھ دنوں کے لئے دہلی کے مقابلہ میں اس کا چراغ ٹمٹماتا رہا۔ آخر میں اس کو پھر ایک مرتبہ فروغ حاصل ہوا جس کا سبب کمال الدین[1] کشمیری، جمال الدین[2] تلہ، مفتی عبدالسلام[3] اور ملا عبدالحکیم[4] سیالکوٹی جیسے نامور علماء کی ذات ہے۔ ان بزرگوں کے فیض سے ہزاروں تشنگانِ علم سیراب ہوئے"۔

لاہور کی گذشتہ اسلامی تعلیم گاہیں تذکرہ علمائے لاہور" میں جن عالموں کا ذکر ہے۔ انہیں سے قریباً ہر ایک صاحب درس گذرا ہے اس لحاظ سے لاہور کی گذشتہ اسلامی تعلیم گاہیں ایک ہی زمانہ اور ایک ہی وقت میں گو کہ اکثر علماء ہم عہد اور ہمعصر گذرے ہیں) کافی تعداد تک پہنچ جاتی تھیں مگر بعض درسگاہیں خاص طور پر مشہور تھیں مثلاً درسگاہ ملا شاہ خواجہ[5] شاہجہانی (جن کا ذکر اس کتاب میں درج ہے) جہاں نواب سعد اللہ خان چنیوٹی دستورِ معظم شاہجہان بادشاہ ابتداء میں پڑھتے رہے ہیں۔ درس مولانا اسمٰعیل عرف میاں وڈا (جن کے فیضانِ عام کا چراغ ابھی تک روشن ہے گو ٹمٹما رہا ہے)

سکھوں کے زمانہ میں اسلامی درسگاہیں زوالِ سلطنت مغلیہ کے ساتھ ہی ملک میں بدامنی و بے چینی پھیل گئی تھی۔ اس لئے وہ درسگاہیں تو جاری نہ رہ سکیں جو حکومت کے دامن و دولت سے وابستہ تھیں۔ البتہ بعض عالمانِ دین نے اس کشمکش و بے اطمینانی کے زمانہ میں بھی سلسلۂ درس و تدریس جاری

[1-4] استاد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی و حضرت مجدد الف ثانی رح و نواب سعد اللہ خان شاہجہانی سے ان سب کے حالات اس کتاب میں مندرج ہیں۔

[5] ملا شاہ خواجہ کے حالات تذکرہ میں درج ہیں جس مسجد میں ان کا مدرسہ تھا۔ وہ دہلی دروازہ کے اندر تھی۔ چنانچہ صاحب سیر المتاخرین نے بھی ذکر کیا ہے۔ کہ جب شاہجہان دارا شکوہ سے ملنے گیا۔ تو دہلی دروازہ کے راستے گیا۔ جہاں ملا شاہ خواجہ کا مکان بھی تھا۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے۔ یہ مسجد متصل مسجد نواب وزیر خان تھی۔ راقم الحروف دہلی دروازہ کے اندر قریباً بیس سال تک رہا ہے (اندرون دہلی دروازہ) کے اندر ایک عالیشان شاہجہانی طرز کی ایک مسجد و عمارت کے کچھ آثار موجود ہیں اور یہاں سے مسجد وزیر خان بھی نزدیک ہی ہے ممکن ہے۔ یہی مسجد ہو جس میں نواب سعد اللہ خان پڑھتے تھے۔ اور اب جس کا یہ عبرتناک انجام نظر آرہا ہے آہ! علماء و صوفیاء کی بستی اب چنگڑوں کا محلہ کہلاتی ہے۔ فاعتبروا یا اولوا الابصار۔

رکھا چنانچہ جب اس زوالِ سلطنت کے بعد سکھوں کا زمانہ آیا۔ تو ان کو تعلیم سے کوئی رغبت ہی نہ تھی مہاراجہ رنجیت سنگھ خود بے تعلیم تھا۔ صرف بعض علماء کے مدارس جاری تھے۔ جہاں ہندو مسلمان بلا تفریقِ مذہب و ملت عربی۔ فارسی کی تعلیم پاتے تھے۔ سرکار سے کوئی خاص مدد ترویج علوم و فنون کیلئے ایسی نہ ملتی تھی جس سے اہلِ علم کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ اُس زمانہ میں لاہور میں سب سے بڑا مدرسہ خلیفہ غلام رسول و خلیفہ غلام اللہ کا تھا۔ دُوسرا مولوی جان محمد کا مسجد نور ایمان والہ (واقعہ کشمیری بازار) میں تیسرا مدرسہ مسجد خراسیاں میں تھا چوتھا مدرسہ فقیر عزیز الدین و نور الدین صاحبان کیطرف سے فی سبیل اللہ جاری تھا۔ یہ مدرسہ کوچہ آستانہ شریف واقعہ بازار حکیماں لاہور میں ایک عرصہ تک ہندو مسلمانوں کو فیضانِ عام پہونچاتا رہا ہے۔ اس نامور خاندان میں خان بہادر فقیر سید شمس الدین[1] نہایت عالم و فاضل بزرگ گذرے ہیں ان کے علاوہ کچھ اور تعلیم گاہیں بھی تھیں لیکن سب سے زیادہ انہی چاروں کی شہرت تھی۔ حکومت کیطرف سے کوئی مدرسہ جاری نہ تھا ۔

لاہور کی موجودہ اسلامی درسگاہیں

لاہور کی موجودہ قابلِ ذکر اسلامی درسگاہوں میں انجمن حمایت اسلام کے مختلف زنانہ مردانہ سکول اور اس کا کالج اور مدرسہ انجمن نعمانیہ ہے۔ انجمن کی تعلیم گاہیں تو سرکاری یونیورسٹی کی سکیم کے مطابق ہیں اسلئے وہاں دینی تعلیم فقہ و حدیث اور تفسیر وغیرہ کا ذکر نہیں ہے لیکن مدرسہ انجمن نعمانیہ میں فقہ و حدیث اور دیگر علوم کی کافی تعلیم ہوتی ہے۔ گو اس میں بھی اصلاح و ترقی کی بڑی گنجائش ہے۔ ایک اور اسلامی مدرسہ مدرسہ رحیمیہ کے نام سے نیلا گنبد کی مسجد میں ہے جو شیخ محمد نقی صاحب رئیس لاہور کی توجہ سے چل رہا ہے اس مدرسہ میں کتب حدیث۔ فقہ۔ تفسیر۔ منطق۔ فلسفہ کی تعلیم ہوتی ہے[2]۔ ان تعلیم گاہوں کے علاوہ لاہور میں

---

[1] روضۃ الابرار میں مولوی محمد الدین فوقی مرحوم نے اپنا ذکر کرتے ہوئے لاہور کے اس نامور امیر عالم کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ میں نے خان بہادر فقیر شمس الدین اور خان بہادر محمد برکت علی خان رئیسان لاہور کے مشورہ سے ۱۲۸۵ھ میں پہلی مرتبہ بادشاہی مسجد لاہور میں وعظ کیا۔ فقیر صاحب کے متعلق آپ اسی کتاب میں لکھتے ہیں "عربی میں بحر العلوم اور اپنے وقت کے سحبان تھے۔ مسلمانوں کی فلاکت و غفلت سے نہ صرف باخبر تھے۔ بلکہ ہمدرد اور دلسوز تھے۔ اہلِ علم کی بڑی قدر کرتے تھے۔ میں نے انہی کے صلاح و مشورہ سے علوم انگریزی اور علم ادب و انشائے عرب کی طرف توجہ کی۔ اور وہ مجھے اپنے ہمراہ ڈاکٹر لیٹنر (ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب) کے پاس لے گئے۔ فقیر سید شمس الدین کا مزار کوچہ آستانہ شریف واقعہ بازار حکیماں میں ہے۔ فقیر سید نجم الدین صاحب تحصیلدار شرقپور آپ کے اکلوتے پوتے ہیں جو اپنے جدِ امجد کی طرح اہلِ علم کے بڑے قدردان ہیں "

[2] مولوی فاضل مولوی عبد العزیز (وطن علاقہ سنانواں تحصیل مظفر گڈھ) اس مدرسہ کے صدر مدرس ہیں جو دیوبند کے تعلیم یافتہ ہیں آپ مولانا محمود الحسن صاحب اور مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری ثم الدیوبندی کے قابل شاگردوں میں ہیں ۔

کچھ عرصہ سے "درس" بھی جاری ہیں دو درس سلسلۂ احمدیہ کی دونوں جماعتوں کے ہیں جہاں ہر روز صبح کو قرآن شریف تفسیر کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔ ایک درس مولوی حاجی احمد علی صاحب کا شیرانوالہ دروازہ کی مسجد میں ہوتا ہے جہاں قرآن شریف اپنے فلسفیانہ انداز اور پوری شرح و بسط کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔ اس درس میں اس قدر لوگ آتے ہیں اور مولوی صاحب کا طرز بیان ایسا دلکش ہے۔ کہ انبوہ کثیر کے آجانے کی وجہ سے مسجد کی توسیع کی گئی۔ صبح کے درس میں لوگ بکثرت شامل ہوتے ہیں اور فیض اٹھاتے ہیں مولانا دار العلوم دیوبند کے تعلیم و تربیت یافتہ ہیں حضرت مولانا پیر عبد الغفار صاحب کا ایک مدرسہ بھی محلہ تکیہ سادھواں میں مدرسہ غوثیہ کے نام سے جاری ہے۔ جہاں فقہ و تفسیر کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور مثنوی مولانا روم تفسیر کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے تعلیم دیگر مدرسگاہوں کی طرح مفت اور عام ہے۔

اس تذکرہ کی تصنیف میں کن کتابوں سے مدد لی گئی

(۱) سبحۃ المرجان عربی مصنفہ میر غلام علی آزاد بلگرامی (۲) مآثر الامراء فارسی تصنیف نواب صمصام الدولہ شاہنواز خان۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اور بہت ضخیم اور کمیاب ہے (۳) تاریخ فرشتہ (۴) تاریخ ہند مصنفہ خان بہادر شمس العلماء محمد ذکاء اللہ دہلوی مرحوم۔ نہایت ضخیم کتاب جو دس جلدوں میں ہے (۵) زبدۃ المقامات مصنفہ مولانا محمد ہاشم کشمی خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی (۶) مکتوبات حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمۃ (۷) حدائق الحنفیہ مصنفہ مولوی فقیر محمد جہلمی مرحوم جو ایک مطبع "سراج المطابع" اور ایک اخبار "سراج الاخبار" کے بھی مالک تھے۔ انکی وفات کے بعد دونوں بند ہو گئے (۸) توزک جہانگیری۔ (۹) سیر المتاخرین (۱۰) اکمل التاریخ (تذکرۂ اولیائے بدایوں) از مولوی محمد یعقوب صاحب قادری ضیاء بدایونی (۱۱) تاریخ لاہور انگریزی مصنفہ خان بہادر شمس العلماء سید محمد لطیف مرحوم (۱۲) تاریخ لاہور اردو از رائے کنہیا لعل اگزیکٹو انجینیر آنجہانی (۱۳) تحقیقات چشتی از مولوی نور احمد صاحب چشتی مرحوم (۱۴) ڈائرکٹری مطبوعہ مولوی احمد بخش یکدل مرحوم (۱۵) روضۃ الادبا از مولوی فاضل محمد الدین فوق مرحوم۔ ان پندرہ کتابوں میں جہاں کہیں علمائے لاہور کا ذکر آیا ہے۔ میں نے پارۂ دل کی طرح اسکو اٹھا کر "تذکرہ" کے نگینہ میں جڑ دیا ہے۔ اور اس طرح دانہ دانہ جمع کر کے یہ چھوٹا سا خرمن تیار کیا ہے۔ اگر تھوڑی سی اور محنت کی جاتی اور چند اور کتب بعض اصحاب سے عاریتاً ہی مل جاتیں تو کتاب میں تھوڑا بہت اور اضافہ ہو جاتا۔ مگر نہ تو کتابیں ملیں۔ اور نہ میری طویل علالت اور اس کے بعد کمزوری اور نقاہت نے اور زیادہ مطالعہ کی اجازت دی

لاہور کے بعض مصنفین کے حالات جنکی کتابوں نے اس تذکرہ میں مدد دی

میں نے جن کتابوں سے اس تذکرہ کی تدوین میں مدد لی ہے۔ اُن کے نام اوپر لکھ دیئے ہیں ان میں ۱۱ سے ۱۵ تک ایسی کتابیں ہیں جن

کے مصنف لاہور ہی کے تھے۔ اور چونکہ وہ سب اہل علم و فضل تھے۔ اس لئے ان کے مختصر سے حالات بھی درج کرنے نامناسب نہ ہونگے۔ ان میں سے مولوی احمد بخش صاحب یکدل کے حالات طبقہ علماء میں لکھے جا چکے ہیں۔ باقی کے حالات حسب ذیل ہیں:۔

سید محمد لطیف جج مرحوم

آپ نے ۹ رفروری ۱۹۰۲ء کو بمقام گوجرانوالہ دفعتہً بعارضہ اختلاج قلب چند منٹوں ہی میں انتقال فرمایا۔ وفات سے چند منٹ پیشتر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد۔ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد ٭ گورداسپور۔ ہوشیارپور۔ گوجرانوالہ ہر جگہ معزز عہدوں پر ممتاز رہے۔ اور جہاں رہے، علمی مشاغل کو فراموش نہ کیا۔ آپ کی مندرجہ ذیل چھپی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔ تاریخ پنجاب معہ حالات شہر لاہور (مطبوعہ ۱۸۸۲ء) تاریخ لاہور (بزبان انگریزی) مطبوعہ ۱۸۹۲ء۔ تاریخ آگرہ (انگریزی)، تاریخ ملتان (انگریزی) زمانہ طالب علمی میں مجموعہ نظم بھی تصنیف کیا تھا جس کا نام "دیوان لطیف" ہے۔ آپ اپنے علم و فضل کی وجہ سے پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ممبر بھی تھے۔ آپ کا بہت بڑا ایک کتب خانہ بھی تھا۔ جو اب تک موجود ہے۔ ان کے والد کا نام منشی محمد عظیم تھا۔ جنہوں نے انگریزی عملداری کی ابتدا میں اخباری مذاق تمام اہل پنجاب میں پھیلایا۔ اولاد باطنی (تصانیف) کے علاوہ خان بہادر مرحوم اولاد ظاہری سے بھی محروم نہ تھے۔ دو بیٹوں کے باپ تھے۔ ایک سید غیاث الدین جن کا انتقال ستمبر ۱۸۹۷ء میں ہوا۔ آپ سے حسب ذیل چار فرزند یادگار ہیں سید تمیز الدین صاحب بی اے منصف شیخوپورہ۔ سید خورشید الدین صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل لاہور۔ دوسرے صاحبزادے سید محمد عزیز الدین صاحب بفضلہ تاجبات ہیں۔ اور ہوشیارپور میں بعہدہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تعینات ہیں آپ کا ایک صاحبزادہ سید بلیغ الدین بی۔ اے دفتر گورنمنٹ ہند میں ملازم ہے۔ اور ایک لڑکا ابھی کالج میں زیر تعلیم ہے ٭

خان بہادر مرحوم کی تصانیف علمی طبقہ میں نہایت مستند سمجھی جاتی ہیں اردو نظم و نثر کے علاوہ انگریزی زبان پر کافی عبور تھا۔ ان کے انگریزی طرز تحریر کے اکثر اہل علم معترف ہیں ٭

آپ کی وفات پر اکثر اخبارات نے ماتمی مضامین شایع کئے۔ یہاں صرف اخبار "رفیق ہند" مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۰۲ء کے ایک مضمون کا کچھ اقتباس درج کیا جاتا ہے "مرحوم کو اخباری شوق اپنے والد ماجد سے ورثہ میں ملا تھا۔ عرصہ تک وہ نہایت قابلیت کے ساتھ اخبار انجمن پنجاب کی ایڈیٹری کرتے رہے۔ باوجود جوڈیشل کام کی کثرت کے ان کو تالیف و تصنیف کا شوق بھی تھا۔ ان کی کتابیں پبلک کے علاوہ گورنمنٹ کے حضور میں بھی قابل قدر سمجھی گئیں اور شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔ عالمانہ مذاق اور اہل علم سے خاص محبت رکھتے تھے" اخبار رفیق ہند جو اپنے وقت میں پنجاب کا ایک نامور اخبار تھا۔ اب عرصہ سے بند ہے۔ اس کے قابل اور لائق ایڈیٹر و مالک مولوی محرم علی صاحب چشتی آجکل ہائیکورٹ پنجاب کے وکیل ہیں ٭

رائے بہادر لالہ کنہیا لال آنجہانی

اصل وطن جلیسر ضلع ایٹہ تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء سے پیشتر (۱۸۵۰ء میں) لاہور آئے اور ایسے آئے کہ یہیں کے ہو گئے۔ لاہور ڈویژن کے اگزیکٹو انجنیر تھے۔ تیس سال تک محکمہ تعمیرات کے افسر رہے۔ چونکہ تاریخی مذاق مبدا فیاض سے عطا ہوا تھا۔ اس لئے سلسلہ تصانیف میں کئی کتابیں لکھیں۔ تاریخ پنجاب اور تاریخ لاہور (۱۸۸۱ء و ۱۸۸۴ء میں) علی الترتیب لکھیں۔ رنجیت نامہ فارسی نظم میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فتوحات کے متعلق لکھا۔ فارسی اردو نظم و نثر لکھنے میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ گلزار ہندی۔ بندگی نامہ۔ یادگار ہندی۔ اخلاق ہندی۔ مناجات ہندی۔ نصیحت نامہ۔ نگارین نامہ۔ دیوان مخزن التوحید۔ کئی کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ تخلص ہندی تھا۔ مفتی غلام سرور لاہوری سے بھی آپ بہت امداد لیا کرتے تھے ٭

مولوی نور احمد چشتی مرحوم مصنف تحقیقات چشتی

مولوی نور احمد چشتی مولوی احمد بخش یکدل کے فرزند

اکبر تھے۔ ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ کو پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں جملہ درسی علوم سے فارغ ہو گئے۔ دیوان امرناتھ (صفدر تخلص) خلف دیوان دینا ناتھ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سوار فوج کے بخشی تھے کی سفارش سے اس چھوٹی سی عمر ہی میں بعہدہ وکالت بقرار پانچ روپیہ یومیہ ملازم ہو گئے۔ انگریزی عملداری کے دنوں میں حسب معمول بزرگان خود آپ نے بھی شہر کے امراد زادگان کو تعلیم دینی شروع کر دی۔ ۱۸۴۷ء میں انگریزی حکام (صاحبان ملکی وجنگی) کو پڑھانے پر مامور ہو گئے۔ اسی دوران میں آپنے حسب ذیل کتابیں بھی تصنیف کیں۔ تحفۂ چشتی (صرف ونحو اردو۔ فارسی عربی)۔ یادگار چشتی مشہور بہ دستور اہل اسلام پنجاب۔ عجائبات چشتی۔ خیالات دانش (زبان فارسی) تحقیقات چشتی آخرالذکر کتاب سب سے زیادہ ضخیم اور آپ کی تمام تصانیف سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ کتاب مزارات و اولیائے لاہور کی ایک مکمل تاریخ ہے۔ اور گو اس میں بعض نقائص بھی ہیں لیکن پھر بھی لاہور کے متعلق جس قدر کتابیں شایع ہوئی ہیں سب کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑتی ہے۔ مولوی صاحب اس زمانہ میں جبکہ پنجاب میں اردو کا رواج بھی نہ تھا۔ بلکہ دفاتر تک بھی فارسی میں تھے۔ اردو میں برجستہ شعر کہتے تھے۔ حضرت مولانا فیض اللہ شاہ کاشمیری سے بیعت تھے۔ جو کشمیر سے پہلے دہلی بعد میں فتنہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کرنال میں آرہے تھے۔ اور بدوران سیاحت لاہور بھی تشریف لے آئے تھے۔ افسوس ہے۔ مولوی صاحب نے عمر بہت تھوڑی پائی۔ چالیس سال کا سن تھا۔ کہ ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۸۶۶ء کو انتقال کر گئے۔ مولوی صاحب کی عمر ابھی تیرہ سال کی تھی۔ کہ اپنے والد مولوی احمد بخش یکدل کے ساتھ بتقریب شادی دیوان کدارناتھ برادر راجہ دینا ناتھ دہلی گئے۔ اور وہاں بہادر شاہ بادشاہ سے بھی ملے۔ جہاں سے ان کو بھی سات پارچہ کا خلعت ملا۔

مولوی محمد الدین فوقی مرحوم - ۲ رجادی الاول ۱۲۶۷ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے حسب طریقہ اسلاف حافظ قرآن بھی تھے۔ فضلائے لاہور و پنجاب و کشمیر وغیرہ سے استفادہ علوم کیا۔ صرف۔ نحو منطق و فلسفہ حکمت و معانی۔ فقہ و اصول۔ حدیث و تفسیر اور تصوف و طب اور فن عروض و وعظ میں نہایت ماہر تھے۔ بیس سال سے کم عمر تھی کہ صاحب درس ہو گئے تھے۔ چنانچہ روضۃ الابرار صفحہ ۲۰۴ پر لکھتے ہیں "مسجد گیلانیاں واقعہ بلدہ لاہور میں میں طلباء کو درس دیتا تھا۔ اور سلم العلوم پر جو علم منطق کی کتاب ہے۔ طلباء کے سامنے تقریر کر رہا تھا میر عبدالقادر اندرابی رتنی پوری کاشمیری معہ اپنے فرزند میر عبدالغنی[1] اور اپنے برادر زادہ سید نور الدین کے موجود تھے۔ اسی وقت ایک خضر صورت مسجد میں آئے۔ میری تقریر سن کر بڑی مسرت ظاہر کی۔ اور زبان کشمیری میر اندرابی مرحوم سے کہا۔ کہ اس لڑکے کی تقریر سے فضلائے کشمیر کی تقریروں کی خوشبو آرہی ہے۔ یہ نوجوان انشاء اللہ روز بروز ترقی کرے گا۔ مولوی محمد الدین لکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں میری عمر بیس سال سے بھی کم تھی +

۱۸ سال کی عمر تھی۔ کہ رمضان المبارک ۱۲۸۵ھ میں آپ نے بادشاہی مسجد میں وعظ کیا۔ جس میں لاہور کے نامی علماء اور روسا بھی موجود تھے۔ یہیں وعظ خوانی کی دستار فضیلت بھی آپ کو ملی۔ خان بہادر فقیر شمس الدین مرحوم چونکہ خود عالم اجل تھے۔ اس لئے مولوی فوقی کی بہت قدر کرتے تھے۔ انہی کے مشورہ اور ڈاکٹر لیٹنر کے ایما سے آپ ۱۲۸۷ھ میں درجہ مولوی و منشی ۱۲۸۸ھ میں منشی عالم اور امتحان انٹرنس ۱۲۸۹ھ میں درجہ مولوی عالم اور ۱۲۹۰ھ میں ایف اے کا امتحان پاس کر کے اسی سال اورینٹل کالج میں مدرس مقرر ہو گئے ۱۲۹۱ھ میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مولوی صاحب عربی اور فارسی کے تمام امتحانات میں اول رہتے تھے۔ مولوی فاضل کے علاوہ منشی فاضل بھی تھے۔

---

[1] آپ کے ایک قابل صاحبزادہ میر غلام علی شاہ صاحب نے عین جوانی میں ۱۹۱۹ء میں انتقال فرمایا ہے۔ بڑے صاحبزادہ سید محمد امین صاحب اندرابی شہر لاہور کے ہمدرد میونسپل کمشنر اور ہائیکورٹ لاہور کے ایک قابل وکیل ہیں۔ اور علماء اور صوفیائے کرام کی خدمت میں سرگرم رہتے ہیں +

اور ایف۔ اے تک تعلیم حاصل کرنے سے علوم انگریزی سے بھی بہرہ وافی رکھتے تھے۔ عربی اور فارسی میں شعر نہایت اچھے کہتے تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں جب تیس سال کی عمر تھی۔ نواب محمد صادق علیخان والئی بہاول پور کی تہنیت جلوس میں بزبانِ عربی ایک جید قصیدہ لکھا۔ جس پر صلہ وافر عطا ہؤا۔ اسی سال بالغ العلوم المشرقیہ یعنی بی۔ او۔ ایل کا امتحان دیا۔ چونکہ جب سے یونیورسٹی قایم ہوئی تھی۔ آپ نے سب سے پہلے یہ امتحان دیا تھا۔ اس لئے حکام بلکہ لاٹ صاحب (لارڈ ایجرٹن بہادر لفٹنٹ گورنر پنجاب) تک نے نہایت عزت فرمائی۔ سنہ ۱۳۰۰ھ میں ایم۔ او۔ ایل یعنی مالک العلوم المشرقیہ کا امتحان درجہ اعلےٰ میں پاس کیا۔

آپ کی کئی تصنیفات بھی ہیں۔ روضۃ الادبار جس میں عربی شعراء کا اردو میں تذکرہ ہے۔ روضۃ الابرار مشائخ کشمیر کے حالات میں بزبانِ فارسی۔ تاریخ ایام الجاہلیہ و مختصر السیر فی احوال خیر البشر۔ قلائد الذہب فی فوائد الادب (بزبانِ عربی) حل لغات الف لیلہ بزبانِ عربی۔ علم فلسفہ بزبانِ انگریزی و عربی و اردو۔ تفسیر فتح العظیم غیر مکمل مختصر تاریخ کشمیر وغیرہ وغیرہ۔

تذکرہ علمائے لاہور میں چند نامور عالمہ عورتوں کے نام

کتاب کے آخر میں بعض عالمہ عورتوں کے مختصر سے حالات بھی درج ہیں۔ جنکو عربی۔ فارسی کے علوم و فنون دینی و دنیوی پر کافی عبور تھا۔ اور جن میں سے اکثروں کے دم قدم سے لاہور کے طبقہ علماء اور اہلِ علم حضرات کی قدر و پرورش ہوتی تھی۔ ان عورتوں کا اصل وطن لاہور نہیں تھا۔ نہ لاہور میں ان کی پیدایش و تربیت ہوئی۔ مگر ان کی عمروں کا ایک طویل حصہ لاہور میں بسر ہؤا۔ اور آخر ان کا مدفن بھی لاہور ہی بنا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں علم کی بڑی قدر کی۔ اس لئے ان کے مختصر سے حالات بھی آخر میں درج کر دئے گئے۔

تذکرہ میں سنہ وار ترتیب قایم نہیں رہ سکی

مجھے اس تذکرہ کے متعلق دو باتوں کا افسوس ہے۔ ایک تو یہ کہ ایک دو قلمی کتابیں جن میں لاہور کے علماء و فضلاء کے حالات زیادہ مل سکنے ممکن تھے مجھے نہیں مل سکیں۔ دوسرے یہ کہ میں علماء و صلحاء کے حالات سنہ وار ترتیب نہیں دے سکا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ میں نے اس کتاب کا سلسلہ لاہور کے ماہوار رسالہ نظام میں جاری کر دیا۔ چنانچہ پہلے دو ماہ تو آٹھ آٹھ صفحے ہر مہینے چھپتے رہے۔ تیسرے مہینے ۲۴ صفحے اور چوتھے مہینے ۲۶ صفحے چھاپ کر کتاب مکمل کر دی گئی۔ ہر مہینے مسلسل مضمون دینے کی وجہ سے جس طرح حالات دستیاب ہوتے گئے۔ اسی طرح لکھتا گیا۔ اب انشاء اللہ تعالےٰ جب کبھی اس کے دوبارہ طبع کرانے کی نوبت آئیگی۔ تو بشرطِ زندگی یہ زیادہ حسن ترتیب اور زیادہ صحت و صفائی اور زیادہ حجم کے ساتھ چھپے گی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

۱۰۔ جمادی الاول سنہ ۱۳۳۸ھ
مطابق یکم فروری سنہ ۱۹۲۰ع

محمد دین فوق۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ علماء و صلحائے لاہور

مولانا مسعود ابن سعد ابن سلیمان۔ مولانا مسعود کے دادا سلیمان ہمدان سے سلطان ابراہیم غزنوی[۱] کے ابتدائے عہد میں غزنی سے لاہور آئے۔ بہت سی جاگیر وغیرہ ملی۔ یہیں شادی بیاہ کیا۔ اور آخر بقول شاعر ؎

ریاض اس شہر سے ہم کیا کریں اب قصد جانیکا ۔ نصیبوں میں لکھا ہے خاک گورکھ پور ہو جانا

آپ نے لاہور ہی کو اپنا وطن قرار دیا اور یہیں سپردِ خاک ہوئے۔ مولانا مسعود کی پیدائش لاہور ہی میں ہوئی۔ لاہور کے جید علماء سے تعلیم حاصل کی۔ سلطان ابراہیم نے ان کو منصب اعلیٰ عطا کیا۔ شاعر تھے۔ اور شعراء کے قدردان تھے۔ اور اہل علم کی پرورش[۲] کرتے تھے ؛

---

[۱] سلطان ابراہیم ابن امیر مسعود ابن سلطان محمود غزنوی اپنے بھائی امیر فرخ زاد کے بعد سنہ ۴۵۱ ہجری میں تخت غزنی پر بیٹھا۔ نہایت عادل و عابد تھا۔ سنہ ۴۷۲ھ میں اس نے ہندوستان پر یورش کی۔ پاک پٹن (اس زمانہ میں اس کا نام اجودھن تھا) کو فتح کر کے واپس چلا گیا سنہ ۴۹۲ ہجری میں وفات پائی۔ حملہ ہند کے دنوں میں لاہور بھی ٹھیرا تھا۔ اور مزار حضرت داتا گنج بخش رح پر بھی حاضر ہوا تھا۔ ۴۲ سال سلطنت کی ؛

[۲] سبحۃ المرجان میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (جو عہد محمد شاہ بادشاہ) ہندوستان کے مشہور مصنف اور عالم گذرے ہیں۔ مولانا مسعود کے متعلق لکھتے ہیں۔ مسعود ابراہیم کا ندیم تھا [illegible]

نظامی عروضی نے چار مقالہ میں اور مولوی محمد الدین نے روضۃ الادباء میں لکھا ہے۔ کہ ۵۱۵ھ تک زندہ رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولانا مسعود طویل العمر تھے۔ انہوں نے غزنی کے چار بادشاہوں کی سلطنت دیکھی۔ ابراہیم۔ مسعود۔ ارسلان اور بہرام شاہ۔ گویا دولت غزنویہ کا عروج بھی دیکھا اور زوال بھی۔ مولانا عربی۔ فارسی۔ ہندی تینوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں۔ مسعود کا فارسی دیوان بلاد ہند و ایران میں بڑی شہرت رکھتا ہے علامہ وطواط نے حدیقۃ السحر میں مولانا مسعود کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ عربی

(حاشیہ متعلق صفحہ ۲۵) آخری زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ کا اصل ممدوح سیف الدین محمود بن ابراہیم تھا۔ محمود جب عراق بھاگا ہے۔ تو مولانا مسعود بھی ساتھ تھے۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے مولانا مسعود کو گرفتار کر کے نائے نامی ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ آپ نے اپنی رہائی کے لئے وہاں بہت سے قصائد لکھے۔ معافی مانگی۔ مگر رہا نہ ہو سکے۔ آخر بیس برس تک حبس خانہ میں رہنے کے بعد ملک شکاتی کی سفارش سے رہائی ملی۔ روضۃ الادباء (مصنفہ مولانا محمد دین مولوی فاضل مرحوم لاہوری مطبوعہ ۱۹۰۵ء) میں مولانا مسعود کے متعلق لکھا ہے۔ سلطان ابراہیم کو جب اس کے جوہر لیاقت کی خبر ہوئی۔ تو بڑی عزت و توقیر سے اُسے بلایا۔ اور کسی شہر کا حاکم بنا دیا۔ اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مولانا مسعود کے مراتب سلطان ابراہیم نے بلند کئے۔ دوسرے یہ کہ وہ عالم ہونے کے علاوہ ملکی قابلیت بھی رکھتے تھے۔ اور غالباً غزنی کی طرف کسی شہر کے حاکم تھے۔

مولانا آزاد بلگرامی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان ابراہیم کے بعد ان کا بیٹا سیف الدین محمود تخت پر بیٹھا۔ اور وہی ان کا مربی تھا۔ اور اسی کے ساتھ وہ عراق کو بھاگے بھی تھے صاحب روضۃ الادباء لکھتے ہیں۔ سلطان ابراہیم نے ان کی قدر کی۔ مالا مال کیا اور عہدہ عظیم بخشا۔ اب ہمیں ان حالات کی تحقیق کے لئے تاریخ فرشتہ کو دیکھنا پڑا۔ وہاں لکھا ہے۔ کہ سلطان ابراہیم نے بقول بعض ۴۸۱ھ اور بقول بعض ۴۹۲ھ میں وفات پائی۔ چونکہ شوکت افغانی اور بعض اور تاریخوں میں ۴۹۲ھ ہی کو زیادہ معتبر سمجھا گیا ہے۔ اس لئے اس (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

زبان میں ایسے اشعار کسی عجمی کے کم ہوتے ہیں۔ مولانا آزاد بلگرامی سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں۔ مولانا کا عربی اور ہندی دیوان اب عنقا ہے۔ فارسی دیوان ملسکتا ہے۔ حدیقۃ السحر کے حوالہ سے سبحۃ المرجان میں آپ کے چند اشعار عربی کے درج ہیں۔ میں نے سبحۃ المرجان اپنے مکرم دوست حکیم محمد حبیب الرحمان صاحب (ڈھاکہ) کے پاس (جولائی ۱۹۱۹ء) میں بدوران قیام ڈھاکہ دیکھی تھی۔ دس بارہ شعر تھے۔ افسوس ہے۔ ان کے نقل کرنے کا خیال نہ رہا۔ روضۃ الادبا میں بھی دو شعر نظر سے گذرے ہیں۔ وہ ذیل میں درج ہیں:۔

ولیلٍ کان الشمس ضلت مجرها — ولیس لها نحو المشارقِ مرجع

بہت راتیں گویا آفتاب ان میں اپنا راستہ بھول گیا۔ اور مشارق کی طرف اس کیلئے مرجع نہ رہا۔

(حاشیہ متعلق صفحہ ۲۶) حساب سے ابراہیم کی مدتِ حکومت ۴۲ سال سمجھنی چاہیئے۔ مولانا مسعود کے باپ اور دادا ابراہیم کے اوائل عہد میں آئے تھے۔ مولانا مسعود لاہور ہی میں پیدا ہوئے۔ اس حساب سے سلطان ابراہیم کے عہد میں ضرور ان کے علم و فضل کی قدر ہوئی ہوگی۔ پھر مولانا بلگرامی لکھتے ہیں۔ ان کا اصل ممدوح سیف الدین محمود بن ابراہیم تھا۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے۔ کہ ابراہیم کے بعد اس نام کا کوئی بادشاہ تخت غزنی پر نہیں بیٹھا۔ چنانچہ ابراہیم کے بعد غزنوی خاندان کے جو بادشاہ گذرے ہیں۔ اُن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

علاء الدولہ مسعود بن ابراہیم (۴۹۲ھ سے ۵۰۸ھ تک) سلطان الدولہ ارسلان شاہ بن مسعود بن ابراہیم (تین سال تک) معز الدولہ بہرام شاہ بن مسعود بن ابراہیم (۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک ۳۵ سال)، اس کے بیٹے خسرو شاہ کو سلطان شہاب الدین غوری نے افغانستان سے نکال دیا۔ اور وہ پنجاب چلا آیا۔

معلوم نہیں۔ مولانا آزاد نے مولانا مسعود کا واقعہ عراق بھاگنے اور وہاں قید ہونے اور ابراہیم کے بعد سیف الدین محمود کی تخت نشینی کا کہاں سے لیا ہے۔

فقلت لقلبی طال لیلی ولیس لی۔ من الہم منجاۃ وفی الصبر مفزع

میں نے اپنے دل سے کہا کہ اب میری رات لمبی ہوگئی ہے اور مجھ کو غم سے نجات نہیں ملی اور آنکھوں میں فزع

مولانا حسن الصغانی

صغانی اس لئے مشہور تھے۔ کہ ان کے کوئی بزرگ صغان (ماوراء النہر) سے آئے تھے۔ نسباً فاروقی تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔ ۱۰ صفر ۵۷۷ھ کو جمعرات کے دن لاہور میں پیدا ہوئے ۔

مبارک الازہار میں لکھا ہے۔ کہ اپنے والد سے علوم حاصل کرنے کے بعد ۶۱۵ھ میں بغداد گئے۔ اور عرصہ دراز تک وہاں رہے۔ وہاں آپ نے علم وفضل اور تصنیف وتالیف میں بہت شہرت حاصل کی۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ چند کتابوں کے نام ذیل میں درج ہیں۔ کتاب الشوارد (لغات) شرح القلادہ السمطیہ کتاب الافتعال۔ کتاب العروض۔ مشارق الانوار (جس کا ترجمہ فارسی میں بھی ہو چکا ہے) مصباح الدجا اور شمس المنیرہ اور شرح حدیث بخاری اور درۃ السحابہ کتاب الفرائض (حدیث میں) کتاب العباب (لغت میں) مکہ بھی گئے اور بغداد اور عدن کی طرح وہاں کے علماء سے بھی حدیث کی سندات حاصل کیں۔ اپنے وقت کے امام الحدیث اور بہت بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ بعہد خلیفہ مستعصم سنہ ۶۵۰ھ میں بغداد میں انتقال کیا۔ آپ کی وصیت تھی۔ کہ مکہ میں مجھے دفن کیا جائے۔ اور جو لوگ میری میت کو لیجائیں۔ اُن کو پچاس پچاس دینار دیئے جائیں۔ چنانچہ وصیت پر عمل ہوا۔ اور آپ مکہ میں دفن کئے گئے۔ مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔ مولانا حسن نے مشارق الانوار کے دیباچہ میں مکہ میں دفن ہونے کی دُعا کی ہے۔ جو آخر منظور وقبول ہوگئی ۔

شیخ محمد اسمٰعیل محدث

سلطان مسعود غزنوی کے آخر زمانہ ۳۹۵ھ میں بخارا سے لاہور آئے۔ سادات عظام میں سے تھے۔ حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے۔ کہ واعظانِ اسلام میں سے سب سے پہلے آپ ہی لاہور تشریف لائے۔ پہلے جمعہ کو جب آپ منبر وعظ پر بیٹھے۔ تو دو سو سے زیادہ ہنود مسلمان ہو گئے۔ اور اسی طرح روز بروز

تعداد بڑھتی گئی۔ علوم فقہ۔ حدیث و تفسیر میں امام اور جامع علوم ظاہری و باطنی تھے سنہ ۴۸۸ھ میں بمقام لاہور وفات پائی ۔

داتا گنج بخش ہجویری لاہوری۔ جامع علوم ظاہری و باطنی اور عابد و زاہد متقی تھے۔ اپنے مرشد کے ایماء سے سنہ ۴۳۱ھ میں بعہد سلطان مسعود اول غزنوی غزنی سے لاہور آئے۔ ہجویر اور جلاب غزنی کے ایک محلہ کا نام ہے۔ اس لئے آپ ہجویری اور جلابی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی جنیدی شیخ ابو القاسم گورگانی۔ ابو سعید ابو الخیر اور ابو القاسم قشیری محدث کے صحبت یافتہ تھے۔ لاہور میں آکر ہزارہا گم کردگان راہ حق کو راہ راست پر لائے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء آپ کی خدمت میں رہ کر سعادت دارین حاصل کرتے رہے سنہ ۴۶۵ھ میں لاہور ہی میں اپنی تعمیر کردہ خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ لاہور میں جس قدر آپ کے مزار پر اہل حاجات کا رجوع ہے اس قدر اور کہیں نہیں ہے۔ آپ کے مفصل حالات میں ایک الگ کتاب بنام سوانح عمری داتا گنج بخش رح موجود ہے۔ جو راقم سطور ہذا ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور بابا فرید الدین شکر گنج رح آپ کے مزار اقدس پر چلہ کش رہے ہیں۔ آپ کے مزار پر سلطان ابراہیم غزنوی اور سلطان شمس الدین التمش کے ہاتھوں کے قرآن شریف لکھے ہوئے موجود ہیں جو یہاں بطور نذر چڑھائے گئے تھے ۔

سید عبد اللہ بن سید عبد الخالق۔ ان کے والد ماجد سید عبد الخالق بھاکر یا بھکر کے سادات عظام میں سے تھے۔ فقیہہ۔ محدث۔ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ۔ تمام عمر تدریس فقہ و حدیث و تفسیر میں گذار دی۔ کسی سائل کو کبھی اپنے دروازہ سے خالی نہ بھیجا۔ سنہ ۸۹۳ھ میں وفات پائی۔ روضہ سید جان محمد حضوری کے قرب میں متصل گڈھی شاہو دفن ہوئے۔

مولانا سعد اللہ لاہوری۔ مولانا ابراہیم جامع کے بیٹے تھے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اپنے وقت کے فاضل اجل تھے۔ تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولانا

سعد اللہ نے اپنے زمانہ کے حالات و واقعات بھی قلمبند کیئے تھے۔ چنانچہ ملتان کے حالات میں کئی جگہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے۔ کہ مولانا سعد اللہ بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ نقل کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جب میرزا شاہ حسین ارغون نے شاہ حسین ثانی والئی ملتان پر حملہ کیا ہے۔ تو مولانا سعد اللہ اس وقت قلعہ کے محصورین میں تھے۔ لکھتے ہیں: میرزا نے چاروں طرف سے درآمد برآمد کے راستے بند کردئے تھے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ اہل قلعہ کتے اور بلیاں کھانے لگے۔ ایک سال چند ماہ کے بعد آخر میرزا کامیاب ہوگیا۔ میرزا کے مظالم کے حالات میں لکھتے ہیں۔ کہ سات برس کے بچے سے لے کر ستّر برس کے بوڑھے تک جس شخص پر صاحبِ دولت ہونے کا گمان گذرا۔ اُس کی خانہ تباہی کردی۔ میرے مکان میں بھی داخل ہوئے اور سب کچھ لُوٹ لیا۔ اپنے متعلق وہ لکھتے ہیں۔ کہ مجھے اور میرے باپ کو صرف ہمارے علم و فضل کی وجہ سے رہائی ملی۔ یہ زمانہ بابر کے آغازِ حکومت کا تھا۔

ملّا عبد السلام لاہوری۔ عالم اجل۔ فاضل اکمل۔ فقیہہ اور مفسر تھے۔ ملا فتح اللہ شیرازی صاحبِ تفسیر (متوفی ۹۹۷ھ) کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ تفسیر بیضاوی کے نہایت برجستہ حاشئے آپ کی یادگار ہیں۔ ۱۰۳۷ھ میں لاہور ہی میں وفات پائی۔ ملا عبد السلام دیوہ آپ ہی کے شاگردوں میں تھے۔ میرک شیخ ہروی جو قاضی محمد اسلم کا برادر زادہ تھا۔ بعہد جہانگیر خراسان سے لاہور آکر آپ کے تلامذہ میں داخل ہوا۔ میرک شیخ ہروی حصولِ تعلیم کے بعد پہلے شاہزادہ دارا شکوہ اور دیگر شاہزادگان کی تعلیم پر مقرر ہوا۔ پھر شاہجہان کے جلوس اول میں بادشاہ بیگم کا دیوان اور دو ہزاری دو صد سوار کا منصب دار ہوگیا۔ بعہدِ اورنگ زیب۔ صدارت کل (صدر الصدور) رہا۔ ۱۰۷۱ھ میں وفات پاگیا۔ ملا عبد السلام لاہوری کا درس بقول صاحب مآثر الامراء پچاس سال تک جاری رہا۔ کچھ عرصہ تک شادی کا کام بھی سرکاری طور پر اس کے سپرد رہا۔ مولانا عبد السلام کے متعلق طبقات اکبری میں لکھا ہے بڑے عالم تھے۔ مرآۃ میں لکھا ہے۔ بڑے فقیہہ تھے۔ نوّے برس سے زیادہ عمر پائی۔ شاہجہان کے سال اول جلوس میں فوت ہوئے۔

مولانا بہلول۔ لاہور کے مشہور عالم تھے۔ اکبر کے اواخر اور جہانگیر کے ابتدائی عہد میں آپ کا نام تاریخوں میں دیکھا جاتا ہے۔ مآثر الامراء جلد سوم میں لکھا ہے۔ کہ مولانا بہلول لاہور کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ قاضی محمدؐ اسلم آپ کے مشہور شاگردوں میں ہے۔ یہ وُہی قاضی محمدؐ اسلم ہیں۔ جن کا بیٹا میرزاہد علم کلام و حکمت میں لاثانی گذرا ہے۔ اور جس نے شرح مواقف اور بہت سی دقیق کتابوں پر مُفید حاشئے لکھے ہیں۔ شاہجہان نے قاضی محمد اسلم کا تلادان بھی کیا۔ اور آخر میں کابل میں دس ہزار کی جاگیر بھی دی تھی۔ آغاز ۱۰۶۱ھ میں محمد اسلم نے کابل میں وفات پائی حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے۔ کہ وفات لاہور ہی میں ہوئی تھی ۔

مولانا منہاج۔ تحصیلِ علم کے زمانہ میں آٹا اور تیل بازار اور شہر سے بھیک کے طور پر مانگ لاتے۔ آٹے کا چراغ بنا کر اور تیل اُس میں ڈال کر رات کو اس کی روشنی میں مطالعۂ کتب کرتے۔ اور دن کو اسی آٹے کی روٹی پکا کر تناول کرتے۔ اور تمام دن رات اسی پر اکتفا کرتے۔ یہاں تک کہ عالم فاضل ہو گئے۔ سلطان بہلول لودھی کے عہد میں دہلی کے مفتی تھے ۔ وفات آپ کی دہلی ہی میں ۹۳۲ھ میں ہوئی۔ حوض شمسی پر متصل خانقاہ ملک زین الدین مدفون ہوئے ۔

مولانا شعیب۔ مولانا منہاج کے بیٹے تھے۔ عالم باعمل فقیہہ فاضل۔ واعظ بے نظیر۔ جب وعظ کہتے یا قرآن پڑھتے کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ بغیر وہاں کھڑا ہونے کے آگے گذر جائے۔ باپ کے ساتھ دہلی چلے آئے تھے۔ اکثر اکابر اور علمائے دہلی آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں اکثر بڑے بڑے آدمی بھی تھے ۔

میر محمدؐ رضا۔ مثنوی مولانا روم کے شارح تھے۔ بعہد شہنشاہ شاہجہان خان جہان بہادر ظفر جنگ کو کلتاش کے ہمراہ منصبداری کے عہدہ پر دکن میں تعینات تھے ۔

مُلا محمدؐ فاضل لاہوری۔ گیارہویں صدی ہجری کے علمائے لاہور میں

آپ نامی عالم گذرے ہیں آپکے درس میں دُور دُور سے لوگ آتے تھے ؎

خواجہ بہاری۔ ملا محمد فاضل لاہوری کے شاگردوں میں تھے۔ علوم فقہ وحدیث و تفسیر کے عالم۔ اور واقف اسرار حقانی بہار سے لاہور میں آئے۔ اور ملا محمد فاضل لاہوری سے دستار فضیلت حاصل کی۔ آپ ملا محمد فاضل ہی کے گھر میں بھی رہتے تھے۔ آخر میں حضرت میاں میرؒ کے مریدوں میں داخل ہوکر خلفائے اعظم میں شمار ہوئے۔ سنہ ۱۰۶۰ھ میں بزمانۂ شاہجہان بمقام لاہور وفات پائی ؎

شاہ رضا قادری شطاری لاہوری کے نام سے مشہور ہیں۔ علوم ظاہری میں صاحب فتوے اور علوم باطنی میں اہل ارشاد تھے۔ مشائخ متاخرین میں فتوحات ظاہری و باطنی کے آپ بادشاہ تھے۔ وفات ۱۲۔ جمادی الاول سنہ ۱۱۱۱ھ کو ہوئی۔ مزار آپ کا لاہور میں ہے ؎

شیخ جان محمدؒ لاہوری۔ شریعت فقہ اور حدیث میں عالم کامل اور طریقت و معرفت میں مقتدائے زمانہ تھے۔ لاہور کے محلہ پرویز آباد میں جس کی آبادی شہر سے باہر تھی۔ اور جہاں اب گڑھی شاہو آباد ہے۔ رہتے تھے۔ صغر سنی میں شیخ عبدالحمید خلیفہ شیخ اسماعیل المعروف بہ میاں وڈا (کلان) لاہوری سے علم حاصل کیا۔ ایک دن میاں صاحب نے آپ سے کہا۔ اے لڑکے اگر تو عالم فاضل اور صاحب تحصیل ہو جائے تو کیا ہمارے ساتھ احادیث میں بحث کیا کریگا۔ آپ ادب اور شرم و حیا کی وجہ سے خاموش رہے۔ اس پر شیخ عبدالحمید نے آپ سے کہا۔ کہو اگر آپ کی توجہ سے تحصیل علم میں فائز المرام ہو جاؤں۔ تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونگا۔ چنانچہ آپ نے حضرت میاں صاحب سے اسی طرح عرض کیا۔ میاں صاحب نے ہاتھ اُٹھا کر آپکے حق میں دُعا کی۔ جو درجۂ اجابت کو پہونچگئی۔ شیخ عبدالحمید نے جب دیکھا۔ کہ اس نوجوان شاگرد کا طائر ہمت بلند پردازی میں ہے۔ اور ان کی علمی طاقت مجھ سے زیادہ ہو گئی ہے تو آپ کو رخصت کر کے شیخ تیمور کے درس میں داخل کیا۔ جو اسوقت لاہور کے اکابر علماء میں تھے۔ شیخ جان محمدؒ عرصہ تک آپکے درس میں تدریس کا شغل کرتے رہے۔ بلکہ دستار فضیلت

بھی آپ نے مولانا شیخ تیموری کی درسگاہ سے حاصل کی تھی۔ آخر میں تا حیات میاں وڈا صاحب سے احادیث کا تکرار فرماتے رہے۔ سنہ ۱۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ پہلے محلہ پرویز آباد میں دفن ہوئے۔ چند سال کے بعد حضرت میاں وڈا صاحب کے احاطہ مزار میں دفن کئے گئے۔

مولانا ابراہیم جامع ۔ لاہور کے نامی علماء میں تھے۔ پینسٹھ سال تک مسند فیض رسانی پر متمکن رہے۔ منطق۔ فلسفہ۔ معقول و منقول۔ حدیث و فقہ سب میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہزارہا طلبا آپ کی درسگاہ سے مستفید ہوئے۔ تاریخ فرشتہ کے مقالہ سلاطین ملتان میں آپ کا تذکرہ مندرج ہے۔ آخر عمر میں اپنے بیٹے مولانا سعد اللہ کے پاس ملتان میں رہتے تھے۔ اور درس تدریس وغیرہ سے کنارہ کش ہو کر کنج تنہائی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ جب ۹۳۲ھ میں شاہ حسین ثانی بن شاہ محمود لنکاہ والئی ملتان پر میرزا شاہ حسین ارغون نے حملہ کیا۔ تو یہ بھی قید ہو گئے۔ چونکہ صاحب رسوخ و اقتدار تھے۔ عمارات عالیشان تھیں۔ اور شہر کے نامی رئیس تھے۔ اس گمان پر ان کو گرفتار کر کے میرزا اور اس کے وزیر کے حضور میں لائے۔ مولانا ابراہیم کا بیٹا مولانا سعد اللہ لکھتا ہے۔ باپ کی گرفتاری کے بعد میری نوبت بھی آئی۔ جب میں وزیر کے پاس پہنچا۔ تو اُس کے حکم سے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ مولانا سعد اللہ لکھتے ہیں۔ مجھے اپنا تو اتنا فکر نہیں تھا۔ لیکن اپنے بوڑھے باپ کی ذلت و اہانت دیکھ کر میں زار زار روتا تھا۔ وزیر نے قلمدان طلب کیا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ الٰہی اگر وزیر نے کچھ لکھنا ہے۔ تو تجدید وضو کر کے لکھے۔ خدا کی قدرت۔ وزیر اُسی وقت اُٹھ کر چلا گیا۔ اس وقت اس جگہ میں اور میرے باپ کے سوا وہاں کوئی نہ تھا۔ میں چوکی کے قریب پہنچا۔ اور اس پرچہ کاغذ پر جو وزیر نے لکھنے کے لئے باہر رکھا تھا۔ قصیدہ بردہ کا یہ بیت جا کر لکھ دیا ؎

فَمَا لِعَیْنَیْکَ اِنْ قُلْتَ اکْفُفَا ھَمَتَا   وَمَا لِقَلْبِکَ اِنْ قُلْتَ اسْتَفِقْ یَہِمِ

وزیر نے واپس آ کر جب یہ شعر دیکھا۔ پہلے تو حیران ہوا۔ کہ کس نے لکھا۔ اور کس کو جرأت ہوئی۔ آخر مجھ سے پوچھا۔ کیا تم نے یہ شعر لکھا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اُس نے میرا حال پوچھا۔ مَیں نے اپنی اور اپنے باپ کی کیفیت بیان کی۔ وزیر میرے باپ کے ساتھ ادب سے پیش آیا۔ اپنے ہاتھ سے بیڑیاں میرے پاؤں سے علیحدہ کیں اور پیراہن جو پہنے ہوئے تھا۔ مجھے عنایت کیا۔ اور اسی وقت سواری میں بٹھا کر میرزا شاہ حسین کے دیوان خانہ میں لیگیا۔ میرے باپ کے علم و فضل کا بیان کیا۔ میرزا کے طلب کرنے پر وہ اندر آئے۔ اس وقت میرزا کی مجلس میں ہدایہ فقہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ میرزا نے ایک خلعت مجھے اور ایک میرے والد کو عطا کیا۔ میرے والد نے میرزا کے حکم سے باوجود اس تردد اور پریشانی کے فقہ کا بیان اس وضاحت و صراحت سے کیا۔ کہ حضار مجلس دنگ رہ گئے۔ میرزا نے حکم دیا۔ کہ مولانا کا اثاث البیت جس قدر غارت ہوا ہے۔ سب بہم پہنچایا جائے۔ اور جو کمی رہ جائے۔ وہ خزانہ سے پوری کی جائے۔ پھر مولانا ابراہیم سے کہا میری مصاحبت اور ہمراہی اگر آپ قبول فرمائینگے۔ تو میری اس سے عزت افزائی ہوگی۔ مولانا نے کہا۔ اب حیات مستعار اپنے آخری لمحوں پر ہے (بقول استاد داغ) ؎

اب داغ کا وہ حال ہے دم جیسے ہو باقی
خورشید لب بام میں یا شمع سحر میں

اب وقت آخرت کے سفر کا ہے نہ بادشاہوں کی ہمسری کا۔ چنانچہ اس واقعہ کے دو مہینے کے بعد ۹۳۲ھ میں ملتان ہی میں انتقال فرمایا ۔

حاجی یار محمدؒ عالمگیر اور اس کے بیٹے شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانہ میں فضلائے لاہور میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ بہادر شاہ[1] نے اپنے سال

---

[1] بہادر شاہ ان دنوں لاہور میں مقیم تھا۔ اور تعجب ہے۔ کہ عالم فاضل ہو کر بعض ایسی خفیف حرکتیں کرتا تھا۔ جس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو رنج ہوتا تھا۔ بلکہ جانوروں تک کو بھی تکلیف

جلوسِ چہارم میں ۱۱۲۱ھ ۱۷۱۰ء کو بعض امامیہ علماء کے ایماء سے خطبہ میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ "علی ولی اللہ وصی رسول اللہ" داخل کرنا چاہا۔ علمائے اہلِ سنت نے اس پر ایک شورِ عظیم برپا کیا۔ یہاں تک کہ شہر میں شورش پیدا ہو گئی۔ بادشاہ ان دنوں خود لاہور میں موجود تھا۔ اس نے شہزادہ عظیم الشان کو ایک خطیب کے ساتھ جامع مسجد میں بھیجا۔ کہ جدید خطبہ وہاں پڑھا جائے۔ خطیب ابھی مسجد میں داخل ہوا ہی تھا۔ کہ کسی نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اس نے علمائے اہلِ سنت کے دو تین مولویوں کو جن میں سب سے بڑے حاجی یار محمد اور محمد مراد تھے۔ بلوایا۔ بادشاہ نے مسئلہ گفتگو چھیڑا۔ حاجی یار محمد نے بادشاہ کی ہر بات کا گستاخانہ اور بیباکانہ رد کیا۔ بادشاہ نے برآشفتہ ہو کر کہا تو بادشاہوں کے غضب سے نہیں ڈرتا۔ کہ اس جرأت اور جسارت سے کام لے رہا ہے۔ حاجی یار محمدؒ نے کہا۔ مجھے خداوند کریم سے چار چیزوں کی خواہش رہی ہے تحصیلِ علم۔ حفظِ کلام اللہ۔ حج اور شہادت۔ الحمدللہ۔ تین نعمتوں سے بہرہ ور ہوں۔ شہادت کی آرزو باقی ہے۔ کیا عجب ہے۔ بادشاہ کی توجہ سے کامیاب ہو جاؤں۔ تاریخ ہندوستان جلد نہم (مولوی ذکاءاللہ) میں لکھا ہے۔ کہ حاجی یار محمد کی فضیلت و عزت شہر بلکہ سارے پنجاب میں اس قدر تھی۔ کہ ایک لاکھ آدمی اس شورش میں اس کے ساتھ تھا۔ آخر بہادر شاہ نے مجبور ہو کر جدید خطبہ دیتا تھا۔ چنانچہ لاہور میں اس نے سگ کشی کا حکم بھی دیا۔ سینکڑوں اور ہزاروں کتے بادشاہی حکم سے مارے گئے۔ لاہور میں ایک عظیم الشان دربار بھی کیا تھا۔ جس میں شہزادگان دربار و وزراء امراء کے علاوہ اور لوگ بھی تھے۔ شاہجہان کا شاہی خیمہ دَل بادل بھی اس موقعہ پر استعمال کیا گیا تھا۔ لاہور کا شاہ عالمی دروازہ اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ بادشاہ کا انتقال بھی لاہور ہی میں ۲۸ فروری ۱۷۱۲ء کو ہوا تھا۔ (از تاریخ لاہور انگریزی خان بہادر جج محمد لطیف مرحوم)

کا خیال چھوڑ دیا۔ اور وُہی خطبہ رکھا۔ جو عالمگیر کے زمانہ سے جاری تھا لیکن بادشاہ کے دل میں چونکہ گرہ بیٹھ گئی تھی۔ اِس لئے اس نے موقعہ پاکر حاجی یار محمدؒ اور دو اور علمائے لاہور کو جن سے وہ آشفتہ خاطر تھا۔ قلعہ میں نظر بند کر دیا۔

شیخ تیمور۔ یہ وُہی بزرگ ہیں۔ جن کا تذکرہ شیخ جان محمد کے حالات میں آچکا ہے۔ عالم متبحر اور یگانۂ عصر تھے۔ ان کی درسگاہ سے بے شمار طالبانِ علم کو فائدہ پہونچا۔ لاہور کے مشہور شیخ حامد قاری بھی آپ کے مریدوں اور شاگردوں میں تھے۔

مولانا محمد عابد۔ علم وعمل اور ورع و تقوے میں علمائے عصر اور اولیائے وقت پر سبقت لیگئے تھے۔ آپ کے حلقہ مجلس میں دو سو علماء و صلحاء روزانہ بیٹھتے تھے۔ آپ لاہور سے حرمین شریفین تک پا پیادہ پہونچے ہیں۔ آپ صاحب تصانیف تھے۔ فارسی اور عربی میں کئی کتابوں کی شرح اور حاشیئے لکھے ہیں ۱۸۔ ماہ رمضان سنہ ۱۱۶۰ھ کو وفات پائی۔ اور لاہور میں دفن ہوئے۔

مولانا محمد صدیق بن محمد حنیف بن محمد لطیف۔ عالم۔ فاضل۔ فقیہ اور محدث اور اعلےٰ درجہ کے ادیب اور اہلِ قلم تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد کابل سے آکر مسجد وزیر خان لاہور کے امام ہوئے۔ ۲۹۔ محرم یوم دوشنبہ ۱۱۲۸ھ ۱۷۱۶ء کو بعہد فرخ سیر آپ لاہور میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں مولانا محمد عابد صاحب تعلیقات تفسیر بیضاوی سے جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ بسم اللہ شروع کی۔ بعد میں اور علمائے وقت سے جن میں مولانا محمد عابد مرزا مظہر اللہ۔ ملا حفیظ اللہ۔ مولوی عبداللہ۔ ملا ظہور اللہ اور مولانا شہر یار قابلِ ذکر ہیں فقہ وحدیث وغیرہ علوم معقول ومنقول کی تکمیل کی۔ آپ حدیث کی سند علمائے مکہ و مدینہ سے بھی سنہ ۱۱۶۷ھ میں لائے۔ بہت سی کتابیں آپ نے تصنیف کیں۔ جو فقہ و حدیث اور تفسیر میں ہیں ان میں ایک کتاب ایسی بھی ہے۔ جو فیضی کی بے نقط تفسیر "موارد الکلم" کے مقابلہ میں بے نقط لکھی ہے۔ یہ کتاب آپ نے ۱۸ پہر میں تصنیف کی تھی۔ وفات آپکی ۱۱۹۳ھ ۱۷۸۲ء میں بعہد تیمور شاہ درانی ہوئی۔

مفتی محمد باقر۔ ان کا خاندان قدیم شاہان اسلام کے زمانہ سے ممتاز و معزز چلا آتا تھا اس زمانہ میں شہر کے چار حصے کر کے اس میں چار مفتی مقرر کئے جاتے تھے۔ اور آخر میں ان سب پر ایک قاضی مقرر ہوتا تھا۔ مقدمہ پہلے مفتی کے پاس آتا تھا۔ یہاں سے تکمیل کے بعد محکمہ افتا میں تحریر رائے وحکم کے لئے قاضی کی خدمت میں جاتا اور وہاں سے حکم اخیر نافذ ہو جاتا تھا۔ مفتی محمد باقر شاہجہان کے زمانہ میں لاہور کے ایک حصہ کے مفتی تھے۔ علم و فضل گھر کی میراث تھا۔ اس لئے سرکار و دربار میں بڑی عزت سے دیکھے جاتے تھے عالیشان مکانات کے مالک تھے لیکن اب نہ مکانات کا پتہ ہے نہ اولاد کا۔ صرف ایک یادگار باقی ہے جس کا نام چوہٹہ مفتی محمد باقر ہے۔

شیخ مخدوم۔ محمد تغلق شاہ دہلی کے عہد میں ملتان سے لاہور آئے۔ اور عہدہ افتا پر مامور ہوئے۔ شیخ بہاؤ الدین ذکریا کی اولاد اور خود صاحب علم و فضل ہونے کی وجہ سے شہر میں بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ہیبت پور پٹی (پرگنہ قصور) جس کو اب پٹی کہتے ہیں۔ جاگیر میں ملا تھا۔ محلہ علاول خاں لوہانی (اب محلہ سادھواں) میں خاص اپنا محلہ آباد کیا۔ جو کوٹلی مفتیاں کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بیٹے مفتی شیخ کمال الدین قریشی نے اپنے علم و فضل اور سلوک نیک کی وجہ سے باپ سے بھی زیادہ عزت حاصل کی۔

شیخ کمال الدین قریشی۔ سلطان بہلول لودہی کے زمانہ میں اس نامور عالم نے ایک مسجد محلہ کوٹلی مفتیاں میں تعمیر کی۔ صحن مسجد کا بہت فراخ رکھا۔ تاکہ درس گاہ کا کام دے۔ اور حجرے بہت بنوائے۔ تاکہ طلبا اور درویش اس میں رہ سکیں۔ چھ پشت تک اس کی اولاد اسی مسجد میں درس دیتی رہی۔ سکھوں کی غارت نے اس محلہ کو اجاڑ دیا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں کچھ آباد ہوا

مفتی شیخ مکرم۔ مفتی شیخ کمال الدین قریشی کی اولاد سے تھے۔ یہ خاندان صدہا سال سے اسی عہدہ پر چلا آتا تھا۔ جب احمد شاہ درانی پنجاب کا بادشاہ ہوا۔ اور لاہور میں آیا۔ تو اس وقت بھی شیخ مکرم لاہور کے مفتی تھے۔ بادشاہ نے ایک فرمان شاہی محررہ

ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۱۷۰ھ کے رُو سے آپ کے صاحب افتا ہونے کی تجدید کی۔ اور خلعت عطا فرمایا۔

مفتی رحمت اللہ۔ یہ بھی شیخ کمال الدین قریشی کے نامی خاندان سے تھا۔ مفتی رحمت اللہ لاہور کا ایک عالم جید گذرا ہے۔ اس نے بجائے فتاویٰ جاری کرنے کے اپنا درس جاری کیا تھا۔ جہاں شہر کے ہندو مسلمان پڑھتے تھے۔ اس کے بیٹوں کے زمانہ میں لاہور سکھوں کی دستبرد سے تباہ ہو چکا۔ اور رعایا چالیسی قحط کی وجہ سے لاہور سے بھاگ رہی تھی۔ یہ خاندان بھی اسی زمانہ میں تباہ ہو گیا۔ ان کے مکانات لوٹے اور تباہ کئے گئے۔ مفتی غلام سرور لاہور کا مشہور مصنف اور شاعر اسی خاندان سے تھا۔ جس کے انتقال کو قریباً بیس سال گذر چکے ہیں۔

خواجہ ایوب۔ مفتی محمد تقی (مفتی شیخ مکرم کے پڑدادا کا باپ اور مفتی کمال الدین کے پڑپوتے) کا داماد تھا۔ بڑا عالم فاضل۔ عربی فارسی کا جید مصنف۔ مثنوی مولانا روم کی ایک شرح اس نے فارسی میں لکھی ہے جس کی تاریخ ہے "طرفہ شرح مثنوی جانفزا"۔

شیخ محمد طاہر بندگی! حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رح کے مرید تھے۔ علم و فضل کے ساتھ فقر و تصوف کی چاشنی بھی رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کی حکومت شہنشاہ جہانگیر کے قبضہ اقتدار میں تھی۔ مزنگ کے قریب آکر قیام کیا۔ ہزارہا لوگ مرید و اعتقاد مند ہو گئے۔ چونکہ علوم ظاہری و باطنی میں صاحب کمال تھے۔ اس لئے ایک مدرسہ بھی جاری کیا۔ جہاں علوم فقہ۔ حدیث و تفسیر طلبا کو مفت پڑھایا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ کئی سال تک جاری رہا۔ اور افسوس ہے کہ آپ کی وفات (۵ محرم ۱۰۴۰ھ ۱۶۳۰ء) کے بعد یہ مدرسہ جاری نہ رہا۔ حضرت شیخ محمد طاہر کی بندگی ہی میں ان کے فقر و تصوف اور مدرسہ کے اجرا کی وجہ سے یہاں عالیشان بستی قایم ہو گئی تھی۔ جس کا نام میانی اس وجہ سے مشہور ہو گیا۔ کہ پنجابی زبان میں میاناں مُلّا اور مولوی کو کہتے ہیں۔ یہاں ایک قیمتی کتب خانہ بھی تھا۔ جب سکھوں نے مزنگ کو لوٹا۔ تو میانی کو بھی تباہ کیا گیا۔ تاریخ لاہور (مصنفہ رائے کنہیا لعل لاہور) میں لکھا ہے۔ کہ غارتگروں نے ہزاروں کتابیں جنس ناکارہ سمجھ کر باہر

پھینک دیں۔ اور چونکہ اس محلہ سے جہاں درویش اور عالم لوگ رہتے تھے۔ ان کو کچھ بل نہ سکا۔ اس لئے غصہ کے مارے محلہ کو آگ لگا دی۔ اور بالکل خاکستر کر دیا۔ شیخ محمد طاہر بندگی کا مزار مرجع خلایق ہے۔ اور ان کے مدرسہ کی عمارت ۱۸۴۷ء تک کسی قدر موجود تھی۔ محلہ میانی کی ویرانی کے بعد لوگوں نے اس کو قبرستان بنا لیا۔ جو آجتک بطور قبرستان ہی چلا آتا ہے۔ تذکرہ مجددیہ آپ کی تصنیفات سے ہے۔ جس میں آپکے وہ خطوط درج ہیں۔ جو آپنے حضرت شیخ مجدد الف ثانی رح اپنے مرشد کو لکھے تھے۔

منشی عنایت اللہ مصنف بہار دانش۔ بہار دانش بہت پرانی اور بہت مشہور کتاب ہے۔ زمانہ قدیم میں تمام مدارس میں اس کی تعلیم جاری تھی۔ اب بھی یہ کتاب مقبول عام ہے۔ اس کے ترجمے انگریزی اور اردو میں بھی موجود ہیں۔ بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ اس نامور کتاب کا مصنف شہر لاہور ہی کا رہنے والا تھا۔ عنایت اللہ قوم کا کمبوہ تھا۔ اور اپنی علمی فضیلت کی وجہ سے دربار شاہجہانی میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ صوبہ لاہور بھی بہ تعظیم و تکریم پیش آتا تھا۔ محمد صالح کمبوہ مصنف عمل صالح (تاریخ عہد شاہجہان) اسی کا داماد اور بھانجہ تھا۔ عنایت اللہ عہدہ کے لحاظ سے صوبہ لاہور کے دفتر میں سردفتر (میر منشی) تھا۔ سنہ ۱۰۷۵ھ میں بعہد عالمگیر انتقال کر گیا۔ شیخ محمد صالح نے اس کا عالیشان مقبرہ تیار کرایا۔ اب مقبرہ کی بجائے ایک کوٹھی ہے۔ اور اس میں صاحبان انگریز رہتے ہیں۔

شیخ محمد صالح کمبوہ۔ لاہور کے نامور عالموں میں تھا۔ اس کی طباعی کو ذہانت اور قابلیت سارے ہندوستان میں مسلمہ تھی۔ صوبہ لاہور کا دیوان تھا۔ اور اپنے علم و فضل کی وجہ سے شاہجہان کے دربار تک رسائی رکھتا تھا۔ عمل صالح اس کی ایک مشہور اور معتمد و مستند کتاب ہے۔ جس میں عہد شاہجہانی کے واقعات مندرج ہیں اس نے ایک خوبصورت مسجد ہزارہا روپے کے صرف سے موچی دروازہ کے اندر بنائی۔ جو باوجود پونے تین سو سال گذرنے کے اب تک اپنے نقش و نگار اور رنگینی کی وجہ سے نئی نظر آتی ہے۔ یہ مسجد سنہ ۱۰۷۰ھ میں اختتام کو پہنچی تھی۔ سنہ ۱۰۸۰ھ میں

بزمانہ اورنگ زیب محمد صالح کا انتقال ہوگیا۔ اور اپنے آبائی مقبرہ میں منشی عنایت اللہ کے پہلو میں دفن ہوا۔ سکھوں نے محمد صالح اور عنایت اللہ کے عالیشان مقبروں کو گرا کر وہاں بارود خانہ قائم کیا۔ انگریزی عہد میں یہ مقبرہ کوٹھی کا کام دینے لگا۔ ایک گنبد میں جہاں ان کی اولاد کی قبریں تھیں۔ اب باورچی خانہ ہے۔ ایک گنبد گھبی خانہ کا کام دیتا ہے۔ اور مقبرہ میں انگریز رہتے ہیں۔

سید معین الدین سید مٹھا۔ ان کا باپ سید جمال الدین چنگیز خاں تاتاری کے مظالم سے تنگ ہو کر خوارزم سے غزنی آیا۔ اور جب چنگیز خاں نے غزنی کو بھی فتح کر لیا تو وہ بھاگ کر لاہور چلا آیا۔ اس وقت اس کا نوجوان بیٹا سید معین الدین اس کے ہمراہ تھا۔ جمال الدین خود بھی عابد و زاہد تھا۔ اور معین الدین بھی علم و فضل اور زہد و ریاضت میں درجہ کمال رکھتا تھا۔ اس لئے بہت لوگ ان کے معتقد ہو گئے۔ جمال الدین کے مرنے کے بعد تمام خلقت کا رجحان سید معین الدین کی طرف ہوگیا۔ جنہوں نے اپنی خوش خلقی و شیریں کلامی سے سید مٹھا کا خطاب پایا۔ ۶۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ اور محلہ سید مٹھا میں جو آپ ہی کے نام پر آباد ہے دفن ہوئے۔ آپ کے پاس تحصیل علم اور فیض روحانی حاصل کرنے کے لئے دُور دُور سے لوگ آتے تھے۔

شاہ رحمت اللہ قریشی۔ عالمگیر کے زمانہ میں ایک نہایت عالم فاضل بزرگ گذرے ہیں۔ فقہ و حدیث پر بہت عبور رکھتا تھا۔ صاحب تصرف ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ آپ کے مرید بھی تھے۔ آپ کا مزار بی بی پاکدامناں کے مزار کے شمال کی طرف

شیخ حامد قاری۔ محمد شاہ روشن اختر کے زمانہ میں آپ لاہور میں صاحب فتویٰ تھے۔ قرآن ایسی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ کہ در و دیوار تک وجد میں آجاتے تھے۔ اس لئے قاری کہلاتے تھے۔ اور آخر میں یہ لفظ نام کا جزو ہوگیا۔ حصار لاہور سے باہر دو دو تین تین میل تک شہر کی بیرونی آبادی پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کا قیام بھی درس میاں وڈا کے متصل تھا۔ وہاں ایک مسجد بنوائی اور درس جاری کیا۔ کئی سال تک لوگ آپ کے علم و فضل سے مستفیض ہوتے رہے۔ مولوی غلام محمد سہروردی سے سلسلہ

بیت تھا۔ جو لاہور کے وحید العصر عالم تھے مسجد ۱۱۴۱ھ میں تعمیر کی جیسا کہ قطعہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے

خداوند راشکر دارم بیاد — چہ خوش مسجد از دست سکیں نہاد

خرد گفت در سال تاریخ آں — ز آفات دوراں زوالش مباد

۱۱۴۱ھ

۱۰۹۶ھ (ابتدائے سلطنت عالمگیر) میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ بعہد نواب ذکریا خاں بہادر صوبہ لاہور ۱۱۶۲ھ میں وفات پائی۔ ملفوظات اور حرمت حقہ دو کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ مگر نایاب ہیں۔ شیخ حامد کے باپ کا نام حسن راجپوت تھا۔ جو لاہور کے نہایت جید عالموں میں تھے۔ آپکا مقبرہ لاہور سے مشرق کیطرف پژاوہ بدھو سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

محمد شاہ بادشاہ نے مدرسہ حضرت حامد قاری کے لئے پچاس بیگہ زمین مزروعہ مدرسہ کے مصارف کے لئے بذریعہ فرمان عطا کی۔ مصنف تحقیقات چشتی لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ حضرت میاں میرؒ کی درگاہ سے ہوکر ایک دن حضرت حامد قاری کے پاس گئے۔ اور طلب استفادہ کیا۔ انہوں نے ازراہ کشف فرمایا۔ حضرت میاں میرؒ نے آج رات کو جو وظیفہ تمہیں عطا کیا ہے۔ وہ کافی ہے۔ مگر یہ واقعہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ کا انتقال ۱۱۵۲ھ میں ہوتا ہے۔ اور حامد قاری کا ۱۱۶۲ھ میں اور ۱۰۹۶ھ حامد قاری کا سال ولادت ہے۔ اور ۱۰۴۵ھ حضرت میاں میر کا سال وفات ہے۔

حضرت حامد قاری کارخانہ عبادت مقبرہ نواب ابوالحسن آصف خاںؔ شاہجہانی کے مہتمم بھی تھے۔ جہاں لاکھوں روپے کے سالانہ اخراجات ہوتے تھے۔ تقسیم مصارف حضرت حامد قاری ہی کی معرفت ہوتے تھے۔

ؔ یہ آصف خاں وہ آصف جاہ نہیں ہے۔ جو نورجہاں کا بھائی اور جہانگیر کا وزیر تھا۔ آصف خاں دراصل ایک خطاب شاہی ہے جو شاہان مغلیہ نے اکثر امراء کو دیا ہے۔ نواب ابوالحسن بن آصف خاں عہد شاہجہانی کا ایک امیر کبیر تھا۔ جس نے بعہد شاہجہان لاہور میں نہایت عالیشان عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اس کا مقبرہ اس کی عورت مخدومہ بیگم نے تیار کرایا۔ اور بارہ حافظ قرآن اس قبہ پر قرآن کی تلاوت کیلئے مقرر کئے۔ اور چند کنوئیں مزید کر کے تا قیام خانقاہ وقف کر دیئے۔ عہد شاہی میں بھی کارخانہ عبادت کے مہتمم حضرت حامد قاری مقرر ہو گئے تھے۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ تا عملداری نواب ذکریا خاں بہادر [illegible] مقبرہ ابوالحسن پر حفاظ برابر بیٹھا کرتے تھے۔ نواب ذکریا خاں از حفاظ [illegible] دیکھ کر [illegible] مخدومہ بیگم [illegible] پر استعمال کر گئی [illegible] قبر خود [illegible] ظاہر ہوا۔ چنانچہ سکھوں نے [illegible] کے مقبروں۔ گنبدوں۔ مسجدوں۔ باغوں اور عمارتوں کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ اب تک ان کی یاد خون کے آنسو رلاتی ہے۔ مقبرہ ابوالحسن بھی اسی زمانہ میں [illegible] کیا۔ ایک عالیشان باغ مقبرے کے ساتھ تھا۔ وہ بھی برباد کر دیا۔ اگر یہ مقبرہ اپنی حیثیت پر قائم رہتا۔ تو [illegible] وقف نہیں ان کی وجہ سے یہ مقبرہ مسلمانوں کا ایک عظیم الشان وقف ہوتا۔

شاہ ابوالمعالی قادری

اصل نام شاہ خیر الدین ہے۔ آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے عام زائر آپ کو صرف ایک ولی اور بزرگ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ حالانکہ آپ کی اصل بزرگی اور اصل ولایت آپ کا طرز عمل اور آپ کا علم و فضل تھا۔ اور آپکی وہ تصنیفات ہیں جو علم دین اور علم تصوف میں آپ نے تصنیف کی ہیں آپکے زہد و اتقا اور آپ کے عام مشہور ہونے کی وجہ سے آپ کی زندگی ہی میں آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہونچ گئی۔ دہم ماہ ذوالحجہ بروز عید سنہ ۹۶۰ھ میں زمانہ اکبر پیدا ہوئے۔ اور ۱۶ ربیع الاول سنہ ۱۰۲۵ھ کو زمانہ شاہجہان بعمر ۶۵ سال وفات پائی۔ آپ کی اولاد بے شمار ہے۔ اور موجودہ جانشین کا نام ابو المعالی محی الدین شاہ ہے۔ جن کے پاس آپ کی اکثر قلمی تصانیف موجود ہیں اور جو نہایت ملنسار ہیں مقبرہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں تعمیر کرایا تھا ساتھ ہی مسجد بھی بنوائی تھی جو اب تک موجود ہے سکھوں کے عہد میں غوث خاں جرنیل توپخانہ نے کچھ اور بھی اضافہ کیا۔ مقبرہ کی بقیہ عمارت آپکے فرزند شاہ محمد باقر نے تعمیر کی۔ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے۔ کہ ان کا اصل وطن بھیرہ (شاہپور) تھا +

مولوی جامی لاہوری

جہانگیر اور شاہجہان کے زمانہ میں ان کے علم و فضل کا لاہور میں چرچا تھا۔ ان کے فتوے کو تمام مسلمانان لاہور قبول کرتے تھے۔ دونوں بادشاہوں کے درباروں میں ان کا کافی عروج رہا۔ شاہجہان کی نظر بندی کے بعد عالمگیر کا زمانہ آیا۔ اس نے بھی ان کی عزت کو برقرار رکھا سنہ ۱۰۸۰ھ میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر انتقال کر گئے۔ قبر ان کی احاطہ میانی میں متصل چار دیواری شیخ طاہر بندگی ہے۔ پرانے چاہ اور مسجد کے اب تک موجود ہیں۔ آپ اپنے وقت کے عالم و فاضل تھے۔ ان کا تمام وقت درس و تدریس میں گذرتا تھا۔ نہایت قابل شاعر تھے۔ ایک رباعی ان کی حسب ذیل ہے

ہر کس کہ دل از مایۂ دنیا برداشت — عبرت ز شمار در دنیا برداشت
گر بہ زمیں بر سر گاؤ است ہے — گاؤ است کسے کہ بار دنیا برداشت

حضرت عبدالجلیل چوہڑ بندگی

سلطان التارکین حضرت حمید الدین حاکم کے خاندان سے ہیں جنہوں نے کیچ مکران کی حکومت ترک کر کے فقر اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ سلطان العارفین فرماتے ہیں۔ --

مالک عالم بہ پشت پا زدہ ایم | تو چہ دانی چہ پاک بازانیم
ہست پرواز ما ز عرش رفیع | اللہ اللہ چہ شاہ بازانیم

حضرت عبدالجلیل ہشو مبارک (بھاولپور) سے بعہد سلطان بہلول لودھی لاہور میں آئے۔ اشاعت علم دین میں آپ نے بڑا حصہ لیا۔ سلہریہ۔ بھٹی۔ کھوکھر اور چوہان وغیرہ کی چند اقوام آپ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئیں۔ تذکرہ قطبیہ (غیر مطبوعہ) سے جو آپ کی اولاد کے پاس ہے۔ اور جس کے مصنف جلال الدین ابو بکر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مکہ معظمہ کے قیام کے دنوں میں وہاں آپ کا درس جاری تھا۔ واپسی پر جہاں جہاں رہے۔ درس برابر جاری رہا۔ پنجاب خصوصاً لاہور کے ہزارہا اشخاص آپ کے درس حدیث و قرآن کے علمی نکات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اسی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ ایک شاگرد آپ سے فوائد الفواد کا سبق پڑھ رہا تھا۔ کہ شیخ بہاء الدین زکریا وغیرہ بزرگان دین کا ذکر آ گیا۔ شاگرد نے بحسرت و افسوس کہا۔ وہ زمانہ کیسا اچھا تھا۔ کہ ایسے ایسے بزرگ ایک ہی وقت میں موجود تھے۔ اب آپ کی ذات کے سوا کون نظر آتا ہے۔ فرمایا۔ دوست کا کارخانہ سدا معمور ہے۔ پہچاننے والے مفقود ہیں۔ اور یہ شعر پڑھا ؎

یوسفے ہمراہ خود دارند و واپس مے برند | یک زلیخا ہمتے گویا دریں بازار نیست

آپ کے علم و فضل اور آپ کی شرافت و بزرگی کو دیکھ کر سلطان بہلول لودھی نے اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دی۔ جس سے آپ کی اولاد میں اس وقت پیر محمد اشرف عالم شاہ صاحب اور صاحبزادہ غلام دستگیر صاحب نامی ہیں۔ آپ کی دوسری بیوی کے بطن سے آپ کی اولاد علاقہ بار میں موجود ہے۔ دونوں بیویوں کی اولاد بہ حیثیت مجموعی نہایت اچھی حالت میں ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ اس کا کثیر حصہ زیور علم سے عاری ہے ؎

آپ کا مزار قلعہ گوجر سنگھ (لاہور) کے پاس میکلوڈ روڈ پر آپ کے خلیفہ شیخ موسیٰ آہنگر کے سبز گنبد والے روضہ کے شمال مغرب خانقاہ کے تہ خانہ میں ۲۷۴ سال سے زیارتگاہ خلائق ہے۔ خانقاہ کی عمارت بہت شکستہ تھی۔ مگر نامی صاحب کی سعی سے چار دیواری وغیرہ کی از سر نو تعمیر ہوئی ہے سفرت کا عرس بھی انہی کی کوشش سے یکم رجب المرجب کو ہوتا ہے خانقاہ کے نام پہلے بہت زمین تھی۔ اب صرف قریباً اٹھارہ کنال رہ گئی ہے۔ اگر جناب اشرف الدین کی توجہ کوشش ہو تو...

یہیں ایک دار العلوم بن سکتی ہے جہاں حضرت شیخ عبد الجلیل کا فیضانِ علم ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے

شیخ محمود کمال ہمایوں کے زمانہ میں لاہور کے نہایت نامور عالموں میں تھے۔ جہانگیر اپنی تزک میں ان کا ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے جنت آشیانی (ہمایوں) ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔ ان کے دل میں ان کی یہاں تک وقعت تھی۔ کہ ایک مرتبہ شہنشاہ نے خود ان کے ہاتھ دُھلائے۔ ان کے علم و فضل سے لاہور کے علاوہ دور دور کے لوگ مستفیض ہوتے تھے۔ مولانا محمد امین ان کے نامور شاگردوں میں تھے ۔

مولانا حسام الدین مولانا سُرخ کے نام سے مشہور تھے۔ اس نام کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی۔ غالباً رنگ بہت گورا ہوگا۔ اور نہایت سُرخ رنگ خوش رنگ ہونگے۔ ان کا زہد و اتقاء اور ان کا علم لاہور اور پنجاب سے باہر بھی مشہور تھا۔ دینیات اور فلسفہ کے خاص عالم و ماہر تھے۔ اکبر کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا۔ طبقات اکبری میں بھی ان کا ذکر ہے ۔

مولانا اسمٰعیل صاحب طبقات نے ان کا ذکر بھی لاہور کے نامور عالموں میں کیا ہے۔ اکبر کے زمانہ میں لاہور کے مفتی بھی رہے ہیں ۔

میر نور اللہ حکیم ابو الفتح کی معرفت اکبر تک رسائی ہوئی۔ اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت جلد با رسوخ ہو گئے۔ شیخ معین الدین قاضی لاہور نے جب پنشن لے لی۔ اس کی جگہ شہنشاہ کے حکم سے آپ لاہور کے قاضی مقرر ہوئے۔

مولانا عبد القادر اکبر کو لکھنے پڑھنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ تاہم مولانا عبد القادر برسوں تک اس کے استاد رہے۔ بادشاہ کے حکم سے حج کو گئے۔ واپس پھر لاہور ہی میں رہے یہیں انتقال کیا۔ اور سوائے عبادت الٰہی کے کسی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

مولانا شاہ ابو اسحاق قادری باپ کا نام شیخ کالو تھا۔ لاہور ہی میں بعہد سلاطین لودھی پیدا ہوئے اور یہیں بعہد مغلیہ وفات پائی۔ جمیع علوم کے جامع صوفی مشرب تھے۔ ان کا درس ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ اور سب لوگ مستفیض ہوتے تھے۔

تاریخ ہند کا واقعہ (اقبال نامہ اکبری) میں ان کے باپ کا نام کالو لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے۔ کہ باپ کی مناسبت کی وجہ سے مجذوب کالو لاہوری کے نام سے بھی مشہور تھے۔ ان کے نام کے ساتھ اسی تاریخ میں شاہ کا لفظ بھی درج ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہو سکی ۔

متوکل ایسے تھے۔ کہ ارباب دنیا کے گھر پر کبھی قدم نہ رکھا۔ نہ کبھی امداد کی تمنا ظاہر کی۔ خاموشی پسند تھے۔ باتیں زیادہ نہیں کرتے تھے۔ آخر عمر میں ایک مجذوب کے مرید ہونے سے نفسانیت سے اور بھی پاک ہو گئے۔ اکبر کے عہدِ حکومت میں بعمر سو سال بمقام لاہور وفات پائی۔ علم فقہ و حدیث پر عبور کامل رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے بحر العلوم تھے۔ شیخ سعد اللہ اور شیخ منور جیسے نامور علماء ان کے شاگردوں میں تھے۔

شاہ ابو اسحٰق کا مقبرہ موضع مزنگ (نزیل لاہور) کے مغرب کی طرف مزنگ ہسپتال کے بالمقابل واقع ہے۔ مقبرہ کی شکل چوگوشہ ہے۔ اور اس پر ایک بہت بڑا گنبد ہے۔ مقبرے کے مشرق کی طرف ایک عالیشان مسجد ہے۔ جس کے تین محراب ہیں۔ اور فرش پختہ ہے۔ مقبرے کی اندرونی دیواروں پر قرآنی آیات عربی کے ابھرے ہوئے حروف میں لکھی ہوئی ہیں۔ مغربی دروازہ پر یہ اشعار درج ہیں ۔

حضرت شیخ شاہ ابو اسحاق — بود چوں از خدا طلب کشش
سوئے حق رفت از سر تحقیق — کہ ہمیں وعدہ بود از ازلش
جست تاریخ فوت او برہان — یافت "سلطان عارفاں" لقبش

شمالی مغربی کونے پر ۹۹۵ھ (۱۵۸۶ء) درج ہے۔ جنوبی مغربی گوشہ پر ایک اور شاندار گنبد ہے جو اب شکستہ حالت میں ہے۔ اس گنبد کے نیچے (محمد حسین۔ ملک حسین۔ یار حسین) انکے تینوں بیٹوں کی قبریں ہیں۔ شاہ ابو اسحاق کا ۵ محرم ۹۹۵ھ (۱۵۸۶ء) کو انتقال ہوا۔

شاہ ابو اسحاق کے مقبرے اور مسجد اور بعض متصلہ قدیمی قبور[1] اور ارد گرد کے جدید مکانات پر نظر ڈال لینے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مقبرہ اور مسجد کا احاطہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ نا خدا ترسوں نے خواہ وہ مسلم تھے یا غیر مسلم، قبروں کو مٹا کر زمین کے برابر کر دیا۔ اور اب اس مقبرہ کے متصل [illegible] سرکاری و غیر سرکاری مکانات بنے ہوئے ہیں۔ آپ کے مزار پر آپ کا سالانہ عرس [illegible] ہوتا ہے۔

---

[1] [illegible] مسجد کے عقب [illegible] قبریں [illegible] آثار [illegible] ایک دو قبریں [illegible] ہیں۔ اور ان کے [illegible]

ملا مصطفیٰ کاتب لاہوری عربی۔ فارسی کے عالم۔ خوشخطی میں صاحب کمال اور علم تاریخ میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ سنہ ۱۰۰۰ھ میں شہنشاہ[۱] اکبر کے حکم سے سات عالموں کو تاریخ الفی لکھنے کا حکم ہؤا۔ ملا احمد ٹھٹوی (استاد مصنف تاریخ فرشتہ) جو تاریخ الفی کے مصنفوں میں سے ایک تھا۔ جب لاہور میں قتل ہوگیا۔ تو ملا عبد القادر بدایونی کو سنین کی تقدیم و تاخیر۔ ترتیب واقعات اور تاریخ کے مقابلہ و تصحیح کا حکم ہؤا۔ ایک سال تک یہ کام ہوتا رہا۔ ملا عبد القادر۔ اور آصف خان اور ملا مصطفیٰ کاتب لاہوری نے اس تاریخ کے مقابلہ و تصحیح کو اختتام تک پہنچایا۔

مولانا شیخ منوّر لاہور میں پیدا ہوئے۔ اور مولانا ابو اسحاق لاہوری کے قابل اور نامور شاگردوں میں تھے۔ باوجود علم کا پیرا ہونے کے انکی قوت حافظہ بہت مشہور تھی مشارق الانوار (حدیث) اور بدیع البیان کی شرحیں لکھیں۔ اکبر کے دربار میں ابو الفضل اور فیضی اور بعض ایسے ملاؤں کا زور تھا۔ جن میں میر صدر جہاں مفتی۔ میر عبد الحق میر عدل جیسے عالم بھی تھے جو اکبر کو خوش کرنے کے لئے شراب کی مجلس میں بھی شامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اکبر نے اپنے ۳۰ سالی جلوس میں جب مجلس شراب ترتیب دی۔ اور یہ دونوں علما نشہ میں مست ہوئے تو اکبر نے خواجہ حافظ کا یہ شعر پڑھا ؎

حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش   در دور پادشاہ خطا بخش و جرم پوش

شیخ منوّر جیسے پابند شرع مولویوں کا اس دربار میں کہاں ٹھکانا تھا چنانچہ اس قسم کے علما رجو بادشاہ کی ایسی لغو حرکات سے روکتے تھے۔ ابو الفضل کے ایما سے دربار سے نکال دیئے گئے۔ شیخ منوّر کو قلعہ گوالیار میں قید کیا گیا۔ جہاں سنہ ۱۰۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کا بیٹا شیخ کبیر بڑا عالم تھا۔ وہ بعہد جہانگیر سنہ ۱۰۲۶ھ میں احمد آباد میں مرگیا۔ باپ بیٹوں میں سے لاہور میں کوئی بھی دفن نہ ہو سکا۔ شہنشاہ اکبر کے حکم سے مولانا منوّر نے ملا احمد ٹھٹوی اور قاسم بیگ کی مدد سے معجم البلدان (عربی) کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ اس کتاب میں شہروں اور ملکوں کے حالات درج ہیں۔ ”ارشاد قاسمی“ نامی کتاب بھی مولانا منوّر ہی کی تصنیف ہے۔

۱؎ تخت نشینی ۹۶۱ھ وفات ۱۲ جمادی الآخر ۱۰۱۱ھ

شیخ داؤد چھنی وال

آپ کے والدین آپ کو بچپن ہی میں یتیم کر گئے۔ پیدائش ملتان کی تھی۔ شیخ رحمت اللہ آپ کے بڑے بھائی آپکو لاہور لے آئے جہاں ہوش سنبھالنے کے بعد آپ کو مولانا اسمٰعیل آچہ کی درسگاہ میں بٹھایا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں فقہ و حدیث۔ تاریخ و ادب۔ منطق و فلسفہ میں آپ علامی ہو گئے۔ ان کے متعلق عجیب بات یہ ہے۔ کہ حضرت غوث الاعظمؒ کی روح نے ان میں حلول کیا۔ سوائے مٹی کی ہنڈیا اور پرانے بوریہ کے بیوی کے پاس کچھ نہ چھوڑتے اور سب کچھ لٹا دیتے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کی روحؒ پر فتوح کی بدولت ہر سال باوجود کسی ظاہری سامان کے نہ ہونے کے بڑی دھوم دھام سے میلا کرتے۔ جس میں ایک لاکھ آدمی کا اجتماع ہوتا۔ سب کو خانقاہ کے لنگر سے کھانا ملتا۔ اہل دنیا کے گھر کبھی نہ گئے۔ سلیم شاہ[1] نے بلایا تو کہا۔ دعائے غائبانہ ہی کافی ہے۔ الفقر فخری ان کا شعار تھا۔ اپنے طالبعلموں کو ایثار کی تعلیم دیتے تھے۔ ۹۸۲ھ میں بزمانہ شہنشاہ اکبر وفات پائی۔ چھنی لاہور کے پاس ایک موضع ہے۔ جہاں آپ کا قیام تھا۔ اس لئے آپ چھنی وال کہلائے۔

قاضی صدر الدین عالم متبحر

خوش طبع خوش صحبت اور شیخ مخدوم الملک[2] کے مشہور شاگرد تھے۔ تاریخ ہندوستان جلد پنجم اقبال نامہ اکبری میں لکھا ہے۔ ان کا پایہ تحقیق مخدوم الملک سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ وسیع المشرب ایسے تھے۔ کہ عوام ان پر الحاد کا گمان کرتے تھے۔ ابتدا میں بادشاہ اکبر نے لاہور کی قضا سپرد کی۔ پھر بندر بھڑونچ کے محکمہ قضا کا حاکم اعلیٰ مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ جونپور میں بھی رہے ہیں۔ جہاں ان کی وجہ سے اور بھی علمائے لاہور مقیم تھے۔ قاضی صدر الدین نے بھڑونچ ہی میں انتقال کیا۔ بڑے ماندہ تھے۔ مگر جب وطن دار الاہور سے نکلے۔ تو پھر واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ شیخ محمد ان کا بیٹا جو بڑا قابل تھا۔ باپ کی جگہ بھڑونچ کی قضا پر مقرر ہوا۔

---

[1] اصل نام جلال خان فرزند شیر شاہ سوری۔ تخت نشینی ۱۵ ربیع الاول ۹۵۲ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۵۴۵ء بادشاہ ہو کر خطاب اسلام شاہ اختیار کیا۔ مگر سلیم شاہ مشہور ہو گیا۔ وفات ۹۶۰ھ مدفن سہسرام پہلو شیر شاہ۔

[2] مولانا عبد اللہ سلطانپوری کا خطاب ہے۔ اکبر نے اس خطاب کے علاوہ شیخ الاسلام کا خطاب بھی دیا تھا۔ مخدوم الملک کو ابو الفضل ہمیشہ دین کا مفسد پرداز جانتا تھا۔ بڑا متعصب سنی تھا۔ ۹۹۰ھ میں بعد از حج احمد آباد گجرات میں آ کر انتقال کر گیا۔ تین کروڑ روپیہ نقد اس کے خزانہ سے نکلا۔

مولانا محمد مفتی ان کا نام اقبال نامہ اکبری میں مولانا محمد لکھا ہے۔ لیکن ملا عبد القادر بدایونی اپنی تاریخ میں مولانا محمد مفتی لکھتے ہیں۔ شاید لاہور یا کسی اور شہر کے مفتی بھی رہے ہوں۔ نہایت عالم تھے۔ ساری عمر لاہور ہی رہے۔ اکبر کی وفات سے دس سال پیشتر ۱۰۰۴ھ میں لاہور ہی میں انتقال کیا۔ عمر نوے سال کی تھی ٭

شیخ حاجی احمد اقبال نامہ اکبری نے شیخ احمد اور صاحب طبقات اکبری نے آپ کا نام شیخ حاجی احمد لاہوری لکھا ہے۔ اور آپ کے علم و فضل کی تعریف کی ہے ٭

قاضی شیخ معین لاہور کے قاضی تھے۔ پیرانہ سالی کی وجہ سے استعفٰی دے دیا۔ اکبر کے زمانہ میں وفات پائی ٭

مرزا نظام الدین احمد مشہور کتاب طبقات اکبری کے مصنف ہیں۔ جن میں شہنشاہ اکبر کے زمانہ کی مفصل تاریخ ہے۔ لاہور میں ان کا ایک عالیشان باغ بھی تھا۔ ۱۰۰۳ھ میں وفات پائی اور اپنے باغ ہی میں مدفون ہوئے۔ اب نہ باغ ہے نہ قبر۔ سدا رہے نام اللہ کا۔ وفات کے وقت ۴۵ سال کی عمر تھی۔ بدایونی لکھتا ہے۔ لاہور کے شرفاء اور عوام میں شاید ہی کوئی ایسا ہو۔ جو اس نوجوان عالم کے جنازے پر نہ رویا ہو۔ اور جس نے اس کی حلیم الطبعی، شفقت اور حسن سلوک کو افسوس کے ساتھ یاد نہ کیا ہو۔ قطعہ تاریخ وفات حسب ذیل ہے :-

رفت مرزا نظام دین احمد — سوئے عقبٰی و جنت و زیبا رفت
جوہر او زبسکہ عالی بود — در جوار ملک تعالٰی رفت
قادری یافت سال تاریخش — گوہر بے بہا ز دنیا رفت

شیخ محمد اسمٰعیل "میاں وڈا" "میاں وڈا" (بزرگ اعظم) شیخ محمد اسمٰعیل کا لقب تھا۔ اکبری عہد میں علم و فضل اور صاحب ولایت ہونے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ قوم کے کھوکھر تھے۔ اور وطن علاقہ پوٹھوہار موضع گراں میں تھا۔ ۹۹۹ھ سال پیدائش ہے۔ مخدوم عبد الکریم سے سلسلہ سہروردیہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔ تحصیل

---

(۱) مفصل حالات کیلئے دیکھو "یادِ رفتگان" مصنفہ راقم الحروف ٭

(چابک سوار)ل واڑہ میں (جہاں اب آپ کا مدرسہ بنام درس میاں وڈا واقع ہے) ایک مسجد بنائی۔ اور عالیشان مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی تعمیر ۱۰۰۰ھ میں لعہد اکبر بادشاہ ہوئی۔ لاہور کی قدیم اسلامی درسگاہوں کی یادگار اب صرف یہی ایک مدرسہ رہ گیا ہے۔ جو قریباً سوا تین سو سال سے برابر خلقِ خدا کو فیض پہنچا رہا ہے۔ یہاں اندھے اور اپاہج طلبا (قرآن شریف اور فقہ کی تعلیم پاتے ہیں جنہیں کل اخراجات خانقاہ سے ملتے ہیں۔ مدرسہ اور خانقاہ کی معافیات سے تمام اخراجات چل رہے ہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد بزمانہ مہاراجہ دلیپ سنگھ جب برچھا گردی کا زور تھا سکھ فوج نے اس مدرسہ کی عمارات کو بہت نقصان پہنچایا۔ جس کی کچھ تلافی مرمت وغیرہ کر کے میاں محمد سلطان مرحوم مشہور ٹھیکیدار لاہور نے کر دی شیخ محمد اسمٰعیل بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں۔ جن کا فیض گو مٹی ہوئی شکل ہی میں سہی اب تک جاری ہے۔ شیخ محمد اسمٰعیل ایام طالب علمی میں آٹا پیس کر گذر اوقات کیا کرتے تھے۔ سلسلہ تدریس جاری کرنے سے پیشتر مزار حضرت داتا گنج بخش صاحب پر چلہ کشی کی۔ جب درس جاری کیا۔ تو طلبا اس کثرت سے آئے کہ مسجد میں نہ سما سکے۔ اسلئے ساتھ اور کچھ زمین ملانی پڑی۔ عالمگیر نے خانقاہ اور مدرسہ کی مدد معاش کیلئے سات چاہات مع مزروعہ اراضی عطا کئے۔ ابھی تک اس درسگاہ سے علمی فیضان جاری ہے۔ ہزارہا نابینا لوگ یہاں سے حافظِ قرآن ہوئے ہیں جن کو کپڑا اور خوراک بھی یہاں سے ملتا ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ محمد الباقی نام ہندوستان کے اولیائے کرام سے گذرے ہیں۔ باپ کا نام قاضی عبدالسلام تھا۔ جو کابل کے ارباب علم و فضل میں سے درجہ رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی ولادت ۹۷۱ھ یا ۹۷۲ھ میں بزمانہ اکبر بمقام کابل ہوئی علوم رسمیہ مولانا صادق حلوائی سے پڑھے۔ کابل سے سمرقند ماوراء النہر تک کا سفر کیا۔ جب عازم ہندوستان ہوئے۔ تو ایک سال تک لاہور میں مقیم رہے۔ جہاں سلسلہ رشد و ہدایت اور درس و تدریس سے ہزارہا لوگ مستفیض ہوئے۔ آپ کے حالات زبدۃ المقامات میں بالتفصیل درج ہیں۔ جس کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے۔ ایک اور مفصل سوانح عمری بھی آپکے حالات میں موجود ہے۔ زبدۃ المقامات میں لکھا ہے۔ قیام لاہور کے زمانہ میں بہت سے علماء و فضلاء آپ کے پاس جمع رہتے تھے۔ اور علمی اور دینی صحبتیں گرم رہتی تھیں۔ یہ زمانہ عین عالم شباب کا تھا۔

اس عمر میں باوجود صاحب علم وفضل بلکہ صاحب خلافت وارشاد ہونیکے سائلوں اور مجذوبوں کی تلاش و دو میں رہتے تھے۔ ان دنوں لاہور میں بارش کے دنوں میں کیچڑ پانی کے سبب سے چلنا پھرنا دشوار ہوتا تھا۔ آپ ایسے دنوں میں بھی گورستانوں اور بیابانوں میں صاحبدلوں کی جستجو میں پھرا کرتے تھے۔ لاہور کے اطراف وجوانب میں ایک گورستان کے قریب ایک مجذوب عارف رہتا تھا۔ جب آپ اس کے پاس جاتے۔ وہ آپ کو مار مار کر بھگا دیتا۔ یا آپ کو دیکھ کر خود ہی کبھی بھاگ جاتا۔ لیکن آپ اس حال میں بھی اسکا پیچھا نہ چھوڑتے۔ یہاں تک۔ کہ ایک دن اس مجذوب نے خوش ہو کر آپ کو پاس بلایا۔ اور حصولِ مراد کیلئے دعائیں دیں۔ اور ان دعاؤں سے آپ کو بہت سے فوائد نصیب ہوئے ٭

ایک دن لاہور کی ایک مسجد میں آپ ادائے نماز فریضہ کے لئے تشریف لائے۔ آپکے ایک مخلص کا بیان ہے۔ کہ اثنائے نماز میں آپ کے سینہ سے ایک مہیب آواز سنائی دی جس سے اہل صف حیران ہوئے۔ بعد فراغت نماز آپ جلد جلد مسجد سے نکل کر اپنے مکان پر چلے گئے اور بندہ یہ دستور مقرر کیا۔ کہ دو تین آدمیوں کے ساتھ گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کرتے۔ باوجود ان کمالات کے اور باوجود طلباء کی کثرت کے آپ ایسے عالی ہمت تھے۔ کہ بزرگی و شخصیت کا کبھی دعوےٰ نہیں کیا۔ بلکہ تصحیح احوال کے لئے ہر دیار وامصار کے مشائخ سے جو کچھ ملا حاصل کیا ٭

ایک مرتبہ لاہور میں سخت قحط سالی نمودار ہوئی۔ آپ ان دنوں لاہور ہی میں تھے۔ اور خلق خدا کی بیچارگی و گرسنگی کا عالم دیکھ رہے تھے۔ جب آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا۔ فرماتے انصاف سے بعید ہے۔ کہ مخلوق کے بیشتر گلی کوچوں میں زار بھوکے پھریں۔ اور ہم گھروں میں بیٹھ کھانا کھائیں۔ تو جس قدر کھانا ہوتا۔ آپ ان قحط زدوں کو بھجوا دیتے اور خود فاقہ سے روحانی گذارہ کرتے۔ زبدۃ المقامات میں لکھا ہے۔ کہ کئی دنوں تک آپ بھوکے رہے۔ آپ کی ایک رباعی ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ ؎

در راہ خدا جملہ ادب باید بود — تا جاں باقیست در طلب باید بود
دریا دریا اگر بکامت ریزند — کم باید کرد و خشک لب باید بود

سنہ ۱۰۱۲ھ میں بعہد اکبر بادشاہ آپ کی وفات بمقام دہلی ہوئی۔ سلسلہ نقشبندیہ کو آپ نے از سر نو زندہ کیا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ آپ سے بیعت تھے۔

مولانا جمال تلوی لاہوری

سنہ ۱۰۱۲ھ میں بزمانہ اکبر آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی علمی صحبتوں[1] اور ان کے شغل و مراقبہ میں شامل رہے ہیں۔ ان دنوں حضرت مجدد صاحب بہ ایمائے خواجہ باقی باللہ (اپنے مرشد) کے لاہور میں مقیم تھے۔ زبدۃ المقامات میں لکھا ہے۔ کہ آپ تلہ (محلہ لاہور) میں رہتے تھے۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ جلد پنجم (اقبال نامہ اکبری) میں بھی لکھا ہے۔ آپ لاہور کے محلہ تلہ میں رہتے تھے۔ اسی لئے آپ کو تلوی بھی کہتے ہیں۔ آپ کا درس نہایت مشہور تھا۔ بڑے بڑے عالم آپ کی شاگردی پر ناز کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے پاس گئے۔ جب رخصت ہونے لگے۔ تو حضرت احتراماً ان کو رخصت کرنے کے لئے اٹھے اور چند قدم تک ہمراہ چلنے کا ارادہ کیا۔ مولانا جمال نے آپ کی نعلین اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ آپ کے تلامذہ کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی۔ ان کو یہ امر ناگوار گذرا کیونکہ ان کا اعتقاد مولانا پر کیا بلحاظ علم اور کیا بلحاظ تقویٰ کے حضرت مجدد سے کم نہ تھا۔ شاگردوں نے موقع پا کر عرض کیا۔ آپ نے اس افراط تواضع بلکہ تذلل کا کیا باعث سمجھا۔ فرمایا۔ حضرت شیخ علمائے باللہ و محرمان اسرار مع اللہ ہیں۔ ان کا احترام لازم ہے۔ اس بات میں مجھے معذور سمجھو۔

ایک مرتبہ مولانا نے حضرت شیخ مجددؒ سے پوچھا۔ آپ اس وقت علم احکام و علم اسرار دونوں کے جامع ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود جو ظاہر شریعت سے موافقت نہیں رکھتا۔ آپ کے نزدیک اس کا حل کیونکر ہے۔ آپ نے مولانا کو [illegible] سے اس مسئلہ کا جواب [illegible] گوشی کی اور [illegible] کیا۔

---

[1] اکبر کے زمانہ میں اس محلہ کا نام تلہ تھا۔ جہانگیر کے زمانہ میں [illegible] اور [illegible] کی رسائی اور اسکے علاوہ [illegible] کی وجہ سے اس کا نام محلہ [illegible] مشہور ہو گیا تھا۔ یہاں اس [illegible] کے [illegible] بہت پیدا ہوتا ہے۔ محلہ [illegible] داڑھی والا کے باغ اور چوبارہ [illegible] (یعنی شاہ عالمی دروازہ کے [illegible]) اور یہاں شہر کے [illegible] محلوں میں تھا۔ شہر کی جانب محلہ [illegible] یا [illegible] (جو اب [illegible] ہے) اور [illegible] زین خان [illegible] ملی خان [illegible] دروازہ) تک [illegible] مسجد [illegible] تھی۔ جب [illegible] اور باغ [illegible] سکھوں کے زمانہ میں [illegible] حالت [illegible] مسجد اور محلہ ویران ہو گیا۔

کہے۔ مولانا کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اور ارباب حال کی طرح چہرہ متغیر ہو گیا۔ دیر تک حضرت شیخ کے زانو پر ہاتھ رکھے ہوئے خاموش بیٹھے رہے۔ اور جب روانہ ہوئے۔ تو بغیر کسی بات کرنے کے خاموش ہی رخصت ہو گئے۔ کسی کو خبر نہ ہوئی کیا کہا اور کیا سُنا ؎

نہ دانم چہ گفتی چہ انگیختی کہ گفتی و از دیدہ خوں ریختی

یہ مجلسیں اور بھی بابرکت ثابت ہوتیں۔ مگر اسی جگہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے انتقال کی خبر حضرت شیخ مجدد صاحب کو ملی۔ اور وہ دہلی روانہ ہو گئے۔

سید عبد الخالق سید عبد الواسع ان کے باپ تھے۔ جو سکندر شاہ سوری کے ہاں ملازم ہو کر لاہور آئے۔ اکبر کے ابتدائے عہد حکومت میں بمقام سرہند آپ ایک جنگ میں شہید ہو گئے۔ سید عبد الخالق آپ کے فرزند نہایت صاحب عبادت ولی کامل اور عالم متبحر تھے۔ فقہ۔ اصول۔ حدیث۔ معانی۔ منطق ہر علم پر حاوی تھے۔ آپ نے ایک مدرسہ علم دین کی اشاعت کے لئے جاری کیا۔ اس کے پاس ہی ایک خام تالاب کھدوایا۔ جس سے تالاب کا نام سید سرا اور محلہ کا نام بھی سید سر مشہور ہو گیا۔ یہ مقام فاضل شاہ نوشاہی اور شمال رویہ مزار پیر مکی کا اور مزار حضرت جان محمد حضوری اور متصل ریلوے سٹیشن واقع ہے۔ سید عبد الخالق خود معلم بنے۔ ان کے زہد و ریاضت اور ان کے ماہر علوم باطنی و ظاہری کی وجہ سے طلبا جوق جوق آنے شروع ہوئے۔ جب اکبر بادشاہ تک آپ کے اس فیضان عام کی رسائی ہوئی۔ تو بادشاہ نے مدرسہ اور صاحب مدرسہ کی مدد معاش کے لئے ہزار درم سالانہ کا ایک موضع اور دو مواضعات میں ۹۰ بیگھہ زمین بطور جاگیر عطا کی۔ سید سر تالاب میں نہانے والوں خصوصاً بچوں کو پھوڑے پھنسی اور خارش سے بہت آرام ہوتا تھا۔ مولوی نور احمد صاحب مصنف تحقیقات چشتی لکھتے ہیں۔ میں جب تالاب سید سر دیکھنے کیلئے گیا تو عجب قدرت الٰہی نظر آئی۔ نہ وہاں مدرسہ ہے نہ نشان مدرسہ۔ نہ کوئی عمارت ہے۔ نہ کسی عمارت کا نشان۔ تالاب جس سے فیضان عام جاری تھا۔ اب وہاں زراعت ہوتی ہے۔ اور کسی کو خیال تک نہیں ہوتا کہ یہاں کبھی تالاب بھی تھا۔ لیکن لوگوں کے عقیدے کا یہ حال ہے کہ سید سر کی زمین کی خاک لیکر پانی میں ملاتے ہیں۔ اور اس سے اطفال مریض کو نہلاتے ہیں۔ جب تک سلاطین مغلیہ کو زوال نہیں آیا تھا۔ اور جب تک سکھوں کو طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لاہور کی ہر بنی

آبادی جو میلوں تک پھیلی ہوئی تھی نہایت امن و امان سے رہتی تھی۔ سکھوں کی لوٹ مار اور ان کے پیدا کردہ حالات اور ان کی باقاعدہ اور بیقاعدہ سلطنت نے بیرونی لاہور کو بالکل تباہ کر دیا۔

مولوی سید عبدالحکیم

گیلانی سید تھے۔ ان کے ایک بزرگ سنہ [illegible]ھ میں ایران سے ملتان میں آئے چونکہ فاضل متبحر تھے سلسلۂ درس و تدریس شروع کر دیا۔ انکی اولاد میں بعہد بابری سید نجم الدین دہلی ملازم ہو گئے۔ ان کے صاحبزادے حضرت بایزید جو نہایت عالم و فاضل تھے اور جن سے صدہا لوگ مستفیض ہوئے تھے لاہور آ گئے۔ بایزید کے تین بیٹوں میں سے سید عبدالحکیم نہایت نامور ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش سنہ ۱۰۳۱ھ ہے۔ عہد جہانگیر میں ان کے شباب کا عالم تھا۔ اسی زمانہ میں ان کے علم و فضل کا چرچا تمام پنجاب تک پہنچ چکا تھا تحقیقات چشتی میں لکھا ہے۔ کہ ایسے عزلت گزین اور مستغنی المزاج تھے۔ کہ باوجود تقاضائے شاہی کبھی دربار شاہی تک نہ گئے۔ خلق عظیم کا نمونہ تھے۔ آخر عمر میں اکثر لوگوں نے آپکی بیعت بھی کی۔ مقبرہ ان کا شاہ شمس الدین قادری کے غرب رویہ اور کوٹھی لاٹ صاحب (گورنمنٹ ہوس) کے جنوب رویہ تھا۔ جب سرکار انگریزی نے انارکلی سے میانمیر تک براہ کمپنی باغ جدید سڑک بنانی چاہی تو یہ مقبرہ سڑک کے اندر آ گیا۔ آج سے پچاس سال پیشتر مقبرہ کی عمارت کے کچھ کچھ نشان موجود تھے۔ اس احاطہ میں آٹھ قبریں تھیں صاحب تحقیقات چشتی ایک شخص کی زبانی روایت کرتے ہیں۔ کہ انتقال مولوی صاحب کا سنہ [illegible]ھ میں بعہد عالمگیر ہو گیا تھا۔

مولانا محمد امین

جہانگیر کے دربار میں ان کی بڑی عزت تھی۔ وہ ان کے علم و فضل اور زہد و ورع اور ان کے علمی فیضان عام کی وجہ سے ان کا بڑا ادب کرتا تھا۔ جہانگیر نے اپنی تزک میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کی اس پُر لطف ملاقات کا ذکر کرتا ہے جس کو اس نے نعمت غیر مترقبہ سمجھا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ مولانا محمد امین نہایت ہی پاکیزہ خیال کے پاک نفس بزرگ ہیں باوجود دنیادار ہونے کے اپنے کیرکٹر کے بڑے مضبوط اور نفسانی خواہشوں پر بڑے قادر ہیں میں ان کی ملاقات اور انکی صحبت سے بڑا ہی خوش ہوا۔ میں نے اپنے کچھ تفکرات ان پر ظاہر کئے۔ انہوں نے جو جواب مجھے دیا اور جو نصیحت کی۔ اس کا مجھ پر بڑا اثر ہوا۔ جو میری تسکین کے لئے کافی تھا جہانگیر لکھتا ہے میں نے ان کو ایک ہزار بیگہ زمین قریباً ۱۰۰ مربعے اراضی لاہور

مددِ معاش دی تاکہ اس کی آمدنی سے ان کے درس اور ان کے درویشوں کا خرچ چلتا رہے
اور ایک ہزار روپیہ نقد ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اور ان سے رخصت ہوا۔

شاہ رستم غازی ان کے علم و فضل اور ان کے علوم دینی و دنیوی کی قابلیت کا اسی سے ا
کر لو کہ زیب النسا بیگم جیسی علامۂ دہر شہزادی (دختر شہنشاہ اورنگ
زیب) کے اُستاد تھے ۔ سنہ ۱۰۵۳ھ میں بعہد شاہجہان جب ان کا انتقال ہو گیا۔ تو زیب النسا
بیگم نے اپنے باغ (جہاں اب مقبرہ زیب النسا بیگم ہے اور موضع نواں کوٹ آباد ہے) کی غربی سمت
سنگ سُرخ کا مقبرہ تعمیر کرا کر قبر کا تعویذ سنگ مرمر کا بنا دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دور (سنہ ۱۹۵۶
لغایت سنہ ۱۸۹۶ء) آیا تو نہ سنگ سُرخ رہا نہ سنگ مرمر سب کی صفائی ہو گئی۔ قبر کے بلند چبو
کے نیچے دو تہ خانے ہیں۔ ایک میں شاہ رستم غازی اور اس کے بیٹے اور دوسرے میں اس کی
اور بیوی کی قبر ہے۔

شاہ شمس الدین قادری شاہ ابو اسحاق مزنگوی کے ارشد تلامذہ بلکہ ان کے مریدوں سے
صاحبِ علم و فضل ہونے کے علاوہ صاحبِ ولایت بھی تھے
۱۱ رجب کو بروز چہار شنبہ جب آپ کا انتقال ہوا۔ اور جہانگیر کو خبر ہوئی۔ تو حکم دیا کہ شاہ
کے علم و ولایت کے مطابق ان کا روضہ تعمیر ہو۔ ایک باغ عالیشان بھی تعمیر کرایا۔ جو عہد
شاہی تک آباد تھا۔ مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی میں آپ کے مزار کی جو کیفیت لکھ
اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مزار نہایت عالیشان تھا۔ چاروں گوشوں پر چار مینار تھے
مسمار ہیں۔ یہ مزار کوٹھی لاٹ صاحب کے متصل واقع ہے۔ شمالی دروازے کے اوپر اندر
یہ شعر بخطِ نستعلیق تحریر ہیں ؎

چو شمس الدین زیب جہاں جنت گزیند | بیاراست ایزد برائش بہشت
بجستم ز پیر خرد سالِ او | بگفت از سر لطف جا گزش بہشت

حضرت شاہ علی مکی آپ کے حالات کچھ زیادہ نہیں معلوم ہو سکے تحقیقات چشتی میں صرف اتنا
آپ عہدِ جہانگیر میں لاہور کے نہایت نامور عالم تھے۔ اور مدرس او

سنہ اسی سال شاہجہان کے وزیر نواب علامی سعد اللہ خاں کا انتقال ہوا تھا۔ ۲ بقول بعض مقبرہ

ن کے پایہ کا اور کوئی کم تھا۔ ان کی خانقاہ قبرستان میانی میں متصل احاطہ قبرستان بزرگان سید
راغ شاہ سبزواری واقع ہے مسجد اور چاہ جو یہاں موجود ہے۔ وہ عہد جہانگیر کے ہیں۔

شیخ سعدی بلخاری لاہوری

ابتداء میں فوج شاہجہانی میں ملازم تھے۔ صاحب علم بھی تھے۔ اور فوج میں جا کر صاحب السیف بھی ہو گئے تھے۔ بعد
زمت شیخ اسد اللہ خلیفہ شیخ آدم بنوری کے مرید ہوئے۔ سید آدم بنوری امام ربانی حضرت
دد الف ثانی کے خلفائے اعظم میں تھے۔ آپ نے ملازمت ترک کر دی۔ شیخ اسد اللہ نے آپ
علم و فضل اور آپ کے چہرے سے آثار رشد و ہدایت دیکھ کر آپ کو اپنے پیر روشن ضمیر سید آدم
ری سے ہی بیعت کرائی۔ جب شیخ آدم براستہ لاہور عازم حج بیت اللہ ہوئے۔ تو شیخ سعدی
لاہور چھوڑ گئے۔ تذکرہ مناقب سید آدم میں لکھا ہے۔ کہ آپ لاہور میں ۴۰ سال تک خلق
اکو ظاہری و باطنی تعلیم دیتے رہے۔ آپ کی نظر فیض اثر سے آسیب زدہ کو بہت جلد آرام آ
جاتا۔ ۱۱۰۸ھ میں بمقام لاہور بعہد عالمگیر آپ نے وفات پائی۔ مولوی نور احمد چشتی نے اپنی
اب تحقیقات چشتی میں آپ کا قطعہ وفات حسب ذیل درج کیا ہے:

بسعدی بلخار دل بیدار لاہوری	بود بر روح پاک او ہزاراں رحمت باری
دنیا سے دل آخر چو زینجا رفت ای چشتی	ندا آمد ز ہاتف زندہ دل سعدی بلخاری

لانا عبد الواحد لاہوری

کثیر المراقبہ کثیر العبادت اور کثیر العلم تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے ارشاد سے حضرت شیخ احمد سرہندی کے پاس عرصہ تک
و تربیت کی غرض سے سرہند میں مقیم رہے۔ بعد تکمیل لاہور آئے۔ اور لوگوں کو اپنے علم و فضل
ض پہنچاتے رہے۔ نماز کے عاشق تھے۔ اور سنت و شریعت کے اجراء میں کمال سرگرم۔
نماز میں ایک مرتبہ ایسا ذوق معلوم ہوا۔ کہ مولانا محمد ہاشم کشمی سے جو جامع کتاب زبدۃ
ات کے ہیں فرمایا۔ بہشت میں نماز ہو گی یا نہیں۔ انہوں نے کہا۔ بہشت کا مقام
جزا ہے نہ دار العمل۔ اس لئے نماز وہاں کہاں۔ آپ نے ایک سرد آہ کھینچی اور کہا۔ آہ!
ماز دینے کی وہاں کیا لطف آئیگا۔ آپ نے ایک مرتبہ حضرت امام ربانی۔ مجدد الف
اپنے پیر و مرشد کی طرف عریضہ لکھا جس میں یہ بھی درج تھا۔ کہ بعض اوقات نماز میں

خصوصاً سجدے میں ہر وقت ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ سر اُٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔ اس
مولویانہ و صوفیانہ زندگی کے ساتھ کسب حلال کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ چنانچہ آپ تجارت کا کاروبار
کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مال تجارت لیکر بخارا تک گئے۔ نماز عشاء کے بعد ایک مسجد میں نوافل
پڑھ رہے تھے۔ کہ خادم مسجد نے کہا۔ مسجد کا دروازہ بند ہونے والا ہے۔ نفل گھر جا کر پڑھو۔ آپ
چلے آئے۔ حضرت خواجہ صاحب رات کو خادم کے خواب میں آئے۔ فرمایا۔ وہ درویش کہ سوداگر
ہندی ہے ہمارے دوستوں سے ہے۔ اس سے جا کر معذرت کرو۔ چنانچہ وہ دوڑا آیا۔ اور
جب تک معافی نہ لے لی اسے چین نہ آیا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں بھی آپ کا
ذکر ہے۔ چنانچہ مکتوب نمبر ۷ اور نمبر ۲۰۳ آپ ہی کے نام ہیں۔"

مولانا شاہ شرف

عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں شاہ شرف لاہور کے ایک نامور عالم گذرے ہیں۔ ان کا علم ان کے تقدس سے اور ان کا تقدس ان کے علم سے
زیادہ تھا۔ فقہ و حدیث اور قرآن و تفسیر اور علوم منطق و فلسفہ کا ایک دریا تھے جس سے
سینکڑوں اور ہزاروں لوگ سیراب ہوئے۔ شاہ شرف کے باپ کا نام محمد فاضل تھا۔ جو شاہجہانی
عہد میں قادری سلسلہ کے ایک عالم فاضل اور اسم بامسمیٰ بزرگ تھے۔ شاہ شرف نے ۱۱۰۴ھ ۱۶۹۲ء
میں انتقال کر گئے۔ ٹکسالی دروازہ کے باہر جہاں آجکل انگریزوں کا قبرستان ہے۔ ان کا نہایت
عالیشان مقبرہ بنایا گیا۔ مقبرہ کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی۔ جو مولانا شرف نے اپنی زندگی
ہی میں بنوائی تھی۔ یہ مسجد نہایت خوبصورت تھی۔ انگریزی تاریخ لاہور کے مصنف خان بہادر
سید محمد لطیف لکھتے ہیں۔ لاہور میں ابھی تک کئی بوڑھے آدمی ایسے موجود ہیں جنہوں نے
اس خوشنما مسجد کو جو کاشی کے کام کی تھی اور عالیشان مقبرہ کو دیکھا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں
کہ یہ عمارات لاہور کی دوسری عالیشان عمارات سے کم نہ تھیں۔ سنگ مرمر اور سنگ سرخ
کا کام نہایت اعلیٰ تھا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شہر کی فصیل کے گرد خندق اور خندق
کے گرد ایک اور فصیل بنانی شروع کی۔ تو شاہ شرف کا مقبرہ اور مسجد اس دوسری فصیل کے
اندر آ گئے۔ مہاراجہ نے حکم دیا کہ ان عمارتوں کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا جائے تاکہ فصیل میں کیا

لہ [illegible] ۱۸۹۲ء مطبوعہ نیو امپیریل پریس لاہور

[illegible]ر تھی۔ تمام قیمتی پتھر امرت سر میں دربار صاحب کے لئے بھجوا دیئے گئے۔ فقیر نورالدین نے جو مہاراجہ کا شاہی حکیم تھا۔ لاش کے صندوق کو باعزاز خواجہ محمد سعید لاہوری کے مزار کی شمالی چار دیواری کے اندر دفن کرا دیا۔

ملّا یوسف لاہوری بادشاہ نامہ (حالات عہد شاہجہان) میں لکھا ہے۔ کہ ملّا یوسف عالم باعمل تھے۔ جو کہتے اس پر عمل کرتے تھے۔ قرآن و حدیث کے عامل و عالم ہونے اور اپنے زہد و تقدس کی وجہ سے ہر کہ ومہ کی نظروں میں قابل عزت تھے۔ اصول و فقہ اور دیگر علوم پر حاوی تھے۔ اور مختلف حاشیئے اور شرحیں مختلف کتابوں کی ان سے یادگار ہیں ایک شرح دیوان حافظ کی بھی فارسی میں لکھی تھی۔ جس کا قلمی نسخہ موجود سُنا جاتا ہے۔ قریباً پچاس سال تک لاہور میں ان کا درس جاری رہا ہے۔ جہاں سے بیشمار لوگ مستفیض ہوتے رہے ہیں اسّی سال کی عمر میں بعہد شاہجہان آپ کا انتقال ہو گیا۔

حاجی خواجہ محمد سعید لاہوری محمد شاہ ۔ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے زمانہ میں لاہور میں حاجی محمد سعید وحید العصر عالم گذرے ہیں مکان اور درسگاہ محلہ عبداللہ وارثی میں تھا جہاں آجکل گورنمنٹ تار گھر کا دفتر واقعہ ہے۔ درس گاہ میں صدہا طالبانِ علم نے فیض حاصل کیا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال سکھوں کی شورشوں اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے ایام میں حاجی محمد سعید امن و امان کے ساتھ اپنے سلسلہ درس و تدریس میں مصروف رہے ہیں آپ صرف عالم ہی نہیں تھے۔ بلکہ سیاح بھی تھے۔ دوران سیاحت میں کابل میں بھی کچھ عرصہ رہتے تھے۔ جہاں احمد شاہ ابدالی نے آپ کی بڑی عزت کی تھی۔
احمد شاہ ابدالی نے جب اپنے تیسرے حملہ کے وقت لاہور کو لوٹنا شروع کیا۔ ان دنوں

لہ تاریخ لاہور رائے کنہیا لعل میں لکھا ہے کہ اس مقبرہ اور مسجد کے قیمتی پتھر روشنائی دروازے کے اندر کی بارہ دری میں لگائے گئے جہاں مہاراجہ بیٹھا کرتا تھا۔ وہ بارہ دری اب تک بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کے متصل موجود ہے۔
لہ تاریخ لاہور میں رائے کنہیا لال لکھتے ہیں کہ یہ مقبرہ اس جگہ تھا۔ جہاں بہائی دروازے کے باہر بھیڑ بکریوں کی منڈی لگتی ہے۔ [illegible] تذکرہ نویس نے دوران میں خود وہاں گیا مگر وہاں کوئی پتہ کسی سے نہ مل سکا۔ البتہ چند بوڑھوں نے اتنا کہا۔ کہ یہاں ایک [illegible] ضرور تھی۔
لہ محمد شاہ عہد حکومت [illegible] احمد شاہ عہد حکومت [illegible] شاہ عالمگیر ثانی [illegible]

حاجی محمد سعید لاہور میں موجود تھے۔ اُنہوں نے بادشاہ کو ایک رقعہ لکھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا کی مخلوق کو تباہ نہ کرو۔ احمد شاہ نے اس رقعہ کے پہنچتے ہی اپنا ہاتھ روک لیا۔ اور خود محلہ عبداللہ واڑی میں جہاں مولانا کا قیام تھا حاضر ہوا۔ حاجی محمد سعید کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ صرف دو لڑکیاں تھیں جو عالم فاضل باپ کی بیٹیاں ہونے کی وجہ سے ضرور علم دین میں مہارت رکھتی ہونگی۔ ان لڑکیوں کی اولاد لاہور میں موجود ہے۔

ربیع الاول سنہ ۱۱۸۰ھ میں (احمد شاہ ابدالی کے آٹھویں یعنی آخری حملہ کے زمانہ میں) جبکہ پنجاب میں سکھوں کا عروج ہو رہا تھا۔ حاجی محمد سعید نے انتقال کیا۔ اور وہ اپنے محلہ ہی میں دفن کیے گئے۔ ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد کابلی سرداروں نے ان کی پختہ قبر بنوائی۔ جب سردار سلطان محمد خان برادر امیر دوست محمد خان مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مہمان کی حیثیت سے لاہور (مقبرہ جہانگیر) میں مقیم تھا۔ تو وہ یہاں روزانہ آتا اور نذرانہ چڑھاتا تھا۔ اب بھی کابلی سردار اس بزرگ کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ آپ کے سالانہ عرس پر اکثر افغان لوگ جمع ہوتے ہیں۔

شاہ محمد ملا شاہ بدخشانی عالم المغولیت ہی میں اپنے وطن سے لاہور پہنچے حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں بیعت کی استدعا کی۔ انہوں نے فرمایا۔ ابھی تحصیل علم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ دس سال تک لاہور ہی میں تحصیل علم کرتے رہے۔ جب علوم ظاہری میں صاحب کمال ہو گئے۔ تو حضرت کے پاس آئے اور بیعت کی شہزادہ دارا شکوہ اکثر آپ کے مکان پر جایا کرتا تھا۔ تمام عمر مجرد رہے۔ نفس پر بڑے قادر تھے۔ وعظ نہایت عالمانہ کرتے تھے۔ ان کے لاہور آنے کی تاریخ سنہ ۱۰۲۳ھ بیان کی جاتی ہے۔ گرمیوں کے موسم میں ہمیشہ کشمیر جایا کرتے تھے۔ جہاں بمقام سرینگر ہری پربت کے دامن میں ان کی عمارات اب تک موجود ہیں۔ لیکن بعد ازاں جانا چھوڑ دیا۔ اور حضرت میاں میرؒ کے ارشاد کے مطابق لاہور ہی میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ فارسی زبان میں نہایت اچھے شعر کہتے تھے۔ جو توحید اور خدا شناسی اور معرفت کے مضامین سے لبریز ہوتے تھے۔ سنہ ۱۰۷۲ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اپنے مرشد حضرت میاں میرؒ کے روضہ کی عمارت میں دفن ہوئے۔ چند اشعار آپ کی یادگار ہیں۔

سے

لہ مطابق تاریخ لاہور انگریزی خان بہادر محمد لطیف۔ تحقیقات چشتی میں صفحہ نمبر ۱۰۶۲ پر سنہ وفات سنہ ۱۰۷۲ھ درج ہے۔

اے بند بپائے قفل بردل ہشدار | وے دوختہ چشم پائے در گل ہشدار
عزم سفر مغرب و رو بہ مشرق | اے رہرو پشت بہ منزل ہشدار

ایک اور شعر آپ کی یادگار میں ہے۔ جس پر علمائے کشمیر نے کفر کا فتوے بھی دیا تھا۔ اور شاہجہان کے پاس شکایت بھی کی تھی۔ شعر حسب ذیل ہے ؎

پنجہ در پنجۂ خدا دارم | من چہ پروائے مصطفٰے دارم

شہزادہ دارا شکوہ ملا شاہ کا مرید تھا۔ ملا شاہ اور حضرت میاں میر (بعہد شاہجہان) دارا شکوہ سے پہلے انتقال کر گئے۔ ان کا روضہ دارا شکوہ نے نہایت فراخ اور عالیشان بنایا۔ اپنے مرشد ملا شاہ کے روضہ کے لئے اس نے اور بھی زیادہ ساز و سامان کیا تھا۔ مگر اورنگ زیب کے ہاتھوں دارا شکوہ کے قتل ہو جانے سے وہ ارادے تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔ تمام قیمتی پتھر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اتروا لیئے۔ روضہ کی دوسری منزل اورنگ زیب کی تعمیر کردہ ہے اور پہلی منزل اور مسجد جو سنگ مرمر کی ہے۔ وہ دارا شکوہ کی بنوائی ہوئی ہے۔

دارا شکوہ لکھتا ہے۔ کہ ملا شاہ اور میاں میر عالم گنج اور دارا پور کے گرد و نواح میں مدفون ہیں۔ مگر اب ان دونوں گاؤں کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ البتہ حضرت میاں میر کے نام پر ایک موضع میاں میر آباد ہو گیا ہے۔

حضرت ملا خواجہ حضرت میاں میر کے مرید اور حضرت ملا شاہ بدخشی پیر شہزادہ دارا شکوہ کے پیر بھائی تھے۔ ملا خواجہ کا وطن صوبہ بہار تھا۔ ان کی نشو و نما اور شہرت لاہور میں ہوئی۔ ان کی آزاد خیالی بلکہ مادر پدر آزادی مشہور تھی۔ صاحب سیر المتاخرین تاریخ مرآۃ العالم کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ شاہجہان ایک مرتبہ لاہور آیا ہوا تھا۔ دارا شکوہ کے مکان پر گیا۔ مصنف تاریخ مرآۃ العالم خواجہ دربار خاں ناظر ہمراہ تھے۔ شہنشاہ نے ان سے کہا۔ کہ واپسی پر ملا خواجہ کو دیکھتے جائیں گے۔ تم جاؤ اور جا کر ان کو خبر کر دو۔ خواجہ ناظر کا کہنا ہے۔ میں ملا کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ معلوم ہوا۔ کہ وہ ابھی باہر گیا ہے۔ تھوڑی دیر تک اس کا انتظار کیا تھا۔ کہ بادشاہ کی سواری نمودار ہوئی۔ میں نے عرض حال کیا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ تم یہیں رہو۔ جب ملا آئے۔ تو ہمارا سلام کہہ کر یہ مصرعہ پڑھنا ع طاقت مہماں نداشتند۔ خانہ بمہماں گذاشتند

جب ملا اپنے مکان پر آئے اور خواجہ ناظر نے واقعہ بیان کر کے مصرعہ پڑھا تو کہا حضرت ظل سبحانی نے ذرہ نوازی فرمائی کہ یہاں تشریف لائے۔ لیکن میں عمداً باہر چلا گیا تھا۔ ورنہ عوام کے ہاتھوں سے میری ڈاڑھی سلامت نہ رہتی۔ مطلب یہ کہ بادشاہ کا تقرب سن کر لوگ بکثرت میرے پاس آتے۔ کہ میں ایک جنجال میں پھنس جاتا۔ دوسرے دن بادشاہ نے لاہور میں بار عام کیا۔ ملا خواجہ بھی گئے۔ خواجہ ناظر لکھتے ہیں میں نے ان کو دور سے پہچانا اور بادشاہ سے عرض کیا۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ اور دربار عام سے اُٹھ کر ملا کے پاس آیا اور خلوت میں اس سے باتیں کرتا رہا۔ ان کا بہت بڑا درس لاہور میں جاری تھا کسب علوم کیلئے دُور دُور سے لوگ آتے تھے۔ امراء غرباء کسی کی تمیز نہ تھی جو آتا حسب توفیق اپنی پیاس بُجھاتا تھا سعد اللہ خان سیالکوٹ جانے سے پیشتر لاہور میں انہی خواجہ ملا کے مکتب میں پڑھتے رہے۔ خواجہ ناظر لکھتے ہیں۔ ایکدن بے ساختہ ملا خواجہ نے کہا۔ بادشاہ ہند کے وزیر کو طلب کرو۔ حاضرین متعجب ہوئے۔ کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور کس کو کہہ رہے ہیں۔ ملا نے کہا۔ حیران کیوں ہوتے ہو سعد اللہ کو کہتا ہوں۔ آخر یہی سعد اللہ جو اس وقت افلاس اور پریشانی کی حالت میں تھا۔ شاہجہان کا وزیر اعظم اور جملۃ الملک نواب سعد اللہ خان کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک دن مجلس صوفیائے حقیقت کیش گرم تھی۔ مسئلہ وحدت الوجود پر بحث ہو رہی تھی۔ ہر ایک کچھ نہ کچھ بیان کر رہا تھا۔ ملا خواجہ خاموش تھے۔ آگ پاس ہی جل رہی تھی دفعتاً طیش میں آ گئے اور آگ کے درمیان جا بیٹھے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد باہر آ گئے اور کہا۔ یہ تمہاری تمہاری قیل و قال اور بحث مباحثہ کا جواب ہے۔ لوگوں نے دیکھا۔ تو آگ نے ان کے کپڑوں پر بھی اثر نہ کیا تھا ؛

عالمگیر کے اوائل جلوس ۱۰۶۸ھ میں ملا خواجہ ایک دن باغ فیض بخش (شالامار باغ لاہور) کی سیر کو گئے۔ وہاں دو تین مرتبہ کہا۔ مجھے طلب نہیں کرتے اور حاضرین سے کہا۔ اگر وہ طلب کریں تو مرشد (حضرت خواجہ ملا شاہ) کی قبر کے پاس مجھے دفن کرنا۔ چنانچہ اُسی وقت اُسی جگہ جان بحق ہوئے۔ اور بموجب وصیت درگاہ حضرت میاں میر میں دفن کئے گئے ؛

حضرت میاں نتھا لاہوری قوم کے کھوجہ اور حضرت میاں میر کے مقبول و محبوب مریدوں میں سے تھے علم ظاہری و باطنی میں صاحب کمال تھے۔ شہزادہ دارا شکوہ سکینۃ الاولیاء میں ان

کے علم و مراتب روحانی کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ خداوند کریم نے ان کو اس قدر علم دیا تھا۔ کہ لوح محفوظ
کی تحریر بھی ان سے پوشیدہ نہ تھی۔ یہاں تک مشہور ہے۔ کہ پتھر اور درخت میاں نتھا سے ہمکلام
ہوتے تھے۔ حضرت میاں میر نہایت تنہائی پسند تھے۔ خصوصاً رات کو کوئی شخص ان کے پاس
نہ رہ سکتا تھا۔ مگر میاں نتھا سے ان کے علم وفضل اور ان کے اعلیٰ مدارج روحانی کی وجہ سے اس
قدر الفت تھی۔ کہ وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ تھے۔ میاں نتھا کے متعلق لکھا ہے۔ کہ انہوں نے
اپنے آپ کو یادِ الٰہی میں اسقدر نابود کر لیا تھا کہ گویا نتھا نہ تھا۔ صرف ذات الٰہی تھی۔ جب میاں نتھا
سنہ ۱۰۲۲ھ میں انتقال کر گئے۔ تو حضرت میاں میر نے چشم پُر آب ہو کر فرمایا۔ فقیر کے فقیر خانہ کو
میاں نتھا لے گئے۔ جب حضرت میاں میر کے انتقال کا زمانہ آیا۔ تو فرمایا۔ میاں نتھا کے پاس دفن کرنا
اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ میاں نتھا کسقدر صاحب کمال اور اپنے پیر و مرشد کی نظروں میں
کیسے عزیز تھے۔ حضرت کی چار دیواری کے باہر میاں نتھا کی قبر موجود ہے۔

مولانا امان اللہ لاہوری رحمہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے مریدان اجازت یافتہ سے صاحب ذوق اور صاحب فضل وکمال تھے۔ علم فقہ میں بہت بلند پایہ تھی۔ حضرت
خواجہ صاحب کے اعاظم خلفاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سنہ ۱۰۳۱ھ میں پیادہ پا سفر حجاز کو روانہ ہوئے
حضرت خواجہ صاحب کے مرید رستہ میں بکثرت تھے۔ زادِ راہ اور خاطر تواضع سے آپ کی امداد کرنا چاہتے
تھے۔ مگر آپ نے مطلق التفات نہ کیا۔ بعد زیارت حرمین شریفین مصر و شام کی بھی سیر کی۔

حضرت خواجہ محمد فاضل المشہور بہ حضرت ایشان بڑے پایہ کے نقشبندی بزرگ تھے۔ وطن بخارا تھا۔ اسی جگہ علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ بارہ برس کی عمر
میں قرآن شریف حفظ کیا۔ چودہ برس کی عمر میں آپ کے علم وفضل کا یہ حال تھا۔ کہ علمائے عہد
میں کسی کو مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ شاہ بخارا آپ کے مکان پر آپ کو ملنے کے لئے آتا تھا۔
وہاں سے سمرقند گئے۔ پھر ہرات۔ قندھار۔ کابل۔ حاکم کابل نے دور تک استقبال کیا۔ جمعہ کے
دن جب آپ نے کابل میں وعظ کیا۔ تو [illegible] مسلمان ہو گئے۔ دو آدمی [illegible]
داخل [illegible] ہو گئے۔ وہاں سے کشمیر گئے۔ اس وقت وہاں چکوں کی حکومت تھی۔ جو مذہباً شیعہ
تھے۔ جب کشمیر میں آپ کا چرچا ہونے لگا۔ تو حسین چک بادشاہ کشمیر نے علمائے شیعہ کی تحریک سے

آپ کو کشمیر سے نکالنا چاہا۔ آپ نے ایک ماہ کی مہلت مانگی جو منظور کی گئی۔ اسی عرصہ میں افواج اکبری نے کشمیر پر حملہ کیا اور وہ کامیاب ہوئیں۔ غرض آپ دیر تک کشمیر رہے۔ آخر جہانگیر نے آپکو دہلی بُلوایا۔ آپ خانقاہ معلیٰ واقع سرینگر میں اپنا فرزند جو نہایت قابل و عالم تھا چھوڑ کر دہلی آگئے۔ جب جہانگیر کشمیر کو روانہ ہُوا۔ تو آپ کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ واپسی پر جب جہانگیر کا کشمیر کے رستہ ہی میں بمقام بہرام گلہ انتقال ہوگیا۔ تو آپ نعش کے ساتھ ہی لاہور تشریف لائے۔ پھر دہلی آگرہ وغیرہ مقامات سے ہو کر نواب وزیر خان بانی مسجد وزیر خان کے زمانہ میں لاہور تشریف لائے اور آخر دم تک اسی جگہ رہے۔ ان دنوں نواب وزیر خان لاہور کا وائسرائے تھا۔ وہ آپ کے پاس خود چل کر آتا۔ اور پھر آپ کی معیت میں حضرت میاں میر کی خدمت میں جاتا۔ جہاں اب آپکا روضہ ہے۔ اسی جگہ آپ نے ایک باغ اور ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔ اپنی خانقاہ کی مسجد میں جو تادم تحریر کتاب ہذا موجود ہے وعظ اور درس فرمایا کرتے تھے۔ صدہا لوگ مستفیض ہوتے اور دین اسلام قبول کرتے۔ حضرت احکام شرعیہ کے سختی سے پابند تھے۔ اتباع سنت و دفع بدعت کی طرف مزاج حق امتزاج بہت مائل تھا۔ وحدت وجودی اور کلمۂ "ہمہ اوست" کے قائل کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت میاں میر کیساتھ مسئلہ وحدت وجودی کے متعلق بذریعہ تحریر دیر تک بحث و مباحثہ رہا۔ لاہور میں نو برس تک آپ کے فیضان ظاہری و باطنی سے لوگ بہرہ اندوز ہوتے رہے۔ سنہ ۱۰۲۲ھ میں آخری مرتبہ تشریف لائے۔ اور سنہ ۱۰۳۲ھ میں انتقال کر گئے۔

شیخ محمد میر عرف حضرت میاں میر

آپ کا وطن اصل سیستان تھا۔ سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ سنہ ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء میں ... میں پیدا ہوئے۔ ۳۶ سال کی عمر (سنہ ۹۹۳ھ میں) بعہد شہنشاہ اکبر لاہور آئے۔ آپ کے علم و فضل اور آپ کے تقدس و زہد کیوجہ سے ہر وقت آپ کے پاس علماء فضلاء اور صوفی منش بزرگوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ علمی و مذہبی بحث اس سرگرمی سے ہوتی تھی کہ مناظرہ کا لطف آجاتا تھا۔ حضرت ملا شاہ بدخشانی۔ خواجہ بہاری اور میاں نتھا لاہوری آپ کے مریدوں اور شاگردوں میں ممتاز تھے۔ ان بزرگوں کے دم قدم سے لاہور بلکہ پنجاب میں علم دین اور علم تصوف کا مینہ برس رہا تھا۔ دارا شکوہ جو آپ کے مرید ملا شاہ کا مرید تھا۔ آپ کا بڑا ادب کرتا تھا۔ اس کی ایک خورد سال بہن آپ کو وضو کرایا کرتی تھی۔ جہانگیر نے ملاقات

اسی کتاب میں الگ درج ہے۔ جہانگیر اور شاہجہان نے آپ سے ملاقاتیں کی ہیں۔ جہانگیر نے اپنی توزک اور ملا عبدالحمید لاہوری نے اپنے شاہجہان نامہ میں اکثر جگہ حضرت میاں میر کا ذکر کیا ہے۔ جہانگیر ایک جگہ لکھتا ہے "شیخ محمد میر لاہوری عرف حضرت میاں میر سے انکے علم و فضل اور ان کی بزرگی و پرہیزگاری کی وجہ سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی۔ لیکن میں ان دنوں آگرہ تھا۔ اور حالات اس قسم کے تھے کہ لاہور میں نہ آسکتا تھا۔ اسلئے میں نے اپنی حکومت کے چودھویں سال میں اُن کو آگرہ آنے کی دعوت دی جسے اُنہوں نے نہایت مہربانی سے منظور فرمالیا" شہنشاہ حضرت میاں میرؒ سے ملاقات کر کے ان کی توسیع معلومات۔ عالمانہ خیالات اور ان کے مذہبی تقدس اور اعلیٰ کیرکٹر کیوجہ سے بہت خوش ہوا۔ جہانگیر لکھتا ہے "روحانی پاکیزگی اور صفائے قلب میں یہ بزرگ اپنے زمانہ کے لاثانی ہیں۔ میں اکثر اُن کے پاس جایا کرتا اور وہ مجھے دینی و دنیوی نہایت باریک نکات بتایا کرتے۔ میری خواہش تھی کہ میں ان کو نقد روپیہ بطور نذر پیش کروں۔ چونکہ ایسی چیزوں کی انہیں خواہش نہ تھی۔ اسلئے مجھے بھی جرأت نہ ہو سکی۔ آخر میں نے نماز پڑھنے کے لئے ہرن کے چمڑے کا مصلیٰ ان کی خدمت میں پیش کیا اور انہوں نے قبول فرمالیا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد وہ لاہور چلے گئے"

شاہجہان نامہ میں لکھا ہے "حضرت میاں میر ایک صوفی ... ملتے ہیں۔ انہوں نے دنیا جہان کی بہت سیر کی ہے۔ وہ نہایت کم گو ہیں۔ شہنشاہ شاہجہان سنہ ۱۶۲۷ء میں ایک مرتبہ لاہور آیا حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور چونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ ان کو کسی نذر نیاز کے لینے کی ضرورت و عادت نہیں ہے۔ اس لئے اس نے ان کو ایک تسبیح اور سفید کپڑے کی ایک دستار پیش کی۔ اور بے شمار دعائیں حاصل کیں۔

دارا شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے۔ "میرے دادا شہنشاہ جہانگیر حضرت میاں میر کی بہت قدر کرتے تھے ایک مرتبہ شہنشاہ نے ان کو مدعو کیا۔ اور شان و شوکت سے ان کا استقبال کیا (یہ غالباً وہی ملاقات ہے جس کا جہانگیر نے خود بھی توزک میں ذکر کیا ہے) شہنشاہ اور شیخ دیر تک ہمکلام رہے۔ جہانگیر ان کی باتوں سے ایسا متاثر ہوا۔ کہ تخت چھوڑ دینے کی خواہش ظاہر کی۔ شیخ نے کہا۔ شاہان عالم خدا کی طرف سے مخلوق کی حفاظت کے لئے مقرر ہوتے

ہیں۔ اگر تم تخت چھوڑ دو گے۔ تو خدا کے ان احکام کی تعمیل سے قاصر سمجھے جاؤ گے جنکی ادائیگی
ایک بادشاہ کی حیثیت سے تم پر واجب و فرض ہے۔ بادشاہ شیخ کے کلام سے بہت خوش ہوا۔
اور کہنے لگا۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد کیجیے۔ تاکہ اس کی تعمیل اپنی سعادت سمجھوں۔ شیخ نے
کہا۔ ایک چیز کی خواہش ہے۔ اگر دینے کا عہد کرو۔ بادشاہ نے کہا۔ جو حکم ہوگا۔ یقیناً اسکی تعمیل
کروں گا۔ فرمایا۔ میری خواہش یہ ہے کہ مجھے دوبارہ یہاں آنے کی تکلیف نہ دی جائے۔ بادشاہ
نے ان سے اپنی خط و کتابت جاری رکھی اور اپنے دستخط خاص سے ان کی خدمت میں عریضے لکھتا
رہا۔ چنانچہ دو خط سکینۃ الاولیاء میں بھی داراشکوہ نے نقل کیے ہیں۔ ایک عریضہ حسب ذیل
ہے: "بعد از عرض و نیاز مخلص حقیقی تمام اخلاص بوقت میسر باشد۔ کہ

قالبم ایں جا و جاں در کوئے دوست خلق را وہم کہ جاں در قالب است

خدا آں روز آرد کہ دولت قدمبوس حاصل کنم۔"

شاہجہان نامہ میں لکھا ہے۔ شاہجہان کہتا تھا۔ میں نے صرف دو ایسے صوفیا دیکھے ہیں
جو علم الٰہیات کے ماہر ہیں۔ ایک میاں میر دوسرے محمد فضل اللہ بہاری۔ شاہجہان اپنے دوران
حکومت میں دو دفعہ حضرت میاں میر کے پاس آیا۔ ایک دفعہ کشمیر جاتے ہوئے اور ایک دفعہ
کشمیر سے واپسی پر۔

ساٹھ سال تک آپ زینت افزائے لاہور رہے۔ ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ کو اٹھاسی
سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ چنانچہ واقعہ وفات کا ذکر کرتے ہوئے سکینۃ الاولیاء میں داراشکوہ
لکھتا ہے: "و بتاریخ ہفتم ماہ ربیع الاول سنہ ۱۰۴۵ھ بروز سہ شنبہ بجانب لاہور [illegible] در حجرہ کہ مسکن ایشاں بود
طائر روح مطہر ایشاں از قفس تقیید وجود بہ تنگ آمدہ [illegible] بعالم اطلاق لاہوتی کہ وطن اصلی [illegible]
شتافت و قطرہ بحر شد۔" جہاں آپ دفن ہوئے اس دن وہاں عالم گنج بخیات پورہ [illegible]

[1] یہ محلہ خواجہ شمس الدین خوافی صوبہ لاہور [illegible] نے آباد کیا تھا۔ جہاں [illegible] [illegible]
میں خواجہ شمس الدین نے اسی محلہ میں انتقال کیا۔ لیکن اب تو یہ بھی معلوم نہیں کہ محلہ کہاں اور کس جگہ تھا۔
[2] یہ موضع [illegible] [illegible] (صاحب اقبال [illegible]) [illegible] [illegible] نے اپنے نام پر آباد کیا تھا۔ جو کہ
شاہ سجادہ نشین دوم درگاہ حضرت میاں میر کی موضع [illegible] پورہ والوں سے کسی بات پر [illegible]
[illegible] لوگوں کو تنگ کرتا شروع کیا۔ داراشکوہ کو خبر ہوئی۔ اس نے گاؤں کو مسمار کرا دیا۔
(تحقیقات چشتی صفحہ نمبر ۷۰۰ [illegible])

اور داراپور وغیرہ مواضعات آباد تھے۔ اب ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ البتہ چھاؤنی کی حدود مقبرہ اور نادرہ بیگم کی بارہ دری تک پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت کے انتقال کے وقت شاہزادہ داراشکوہ آگرہ میں تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے رنج و ملال کا ذکر سکینۃ الاولیاء میں کیا ہے۔ نادرہ بیگم اور حضرت ملا شاہ کے مزارات کی ڈیوڑھیوں۔ تالابوں مسافر خانوں اور باغات و چاہات کیوجہ سے اس مقام پر بڑی رونق تھی۔ داراشکوہ کا ارادہ تھا۔ کہ اپنے محلات و مکانات (واقعہ چاہ میاں سلطان لنڈا بازار لاہور) سے لیکر حضرت ملا شاہ اور میاں میر صاحب کے روضہ تک سنگ مرمر کا فرش بنوائے۔ تاکہ پیدل آیا جایا کرے۔ سامان بھی منگوا لیا تھا۔ مگر عالمگیر نے اس غریب کو دم نہ لینے دیا۔ اور داراشکوہ کی گرفتاری اور بعد میں اس کے قتل سے اسکے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ لاہور کی عالمگیری (جامع مسجد) جو بادشاہی مسجد کہلاتی ہے۔ اسی ساز و سامان سے بعد میں تعمیر کی گئی روضہ کا کچھ حصہ بھی عالمگیر ہی نے بعد میں تعمیر کرایا ؛

موضع میاں میر جو حضرت کے نام پر آباد ہے۔ حضرت کے ایک سو سال سے زیادہ عرصہ کے بعد ان کے سجادہ نشین مہدی شاہ نے آباد کیا۔ مہدی شاہ اپنے باپ محمد شریف خواہرزادہ حضرت میاں میر کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوا تھا۔ حضرت میاں میر خود تمام عمر مجرد رہے۔ ان کی بہن بی بی جمال خاتون کی اولاد سجادہ نشین چلی آتی ہے ؛

سید ابو اسحاق میران بادشاہ عالم فاضل اور شیخ کامل تھے۔ اپنے ملک ایران سے ساتویں صدی ہجری میں لاہور آئے۔ محلہ ژژہ میں سکونت اختیار کی۔ اس وقت سلطان فیروز شاہ جس کے نام پر مولانا عزالدین نے تاریخ فیروز شاہی لکھی ہے۔ تخت دہلی پر حکمران تھا۔ اکثر اشخاص ان کے فیضان باطنی و ظاہری سے مستفید ہوتے رہے۔ وفات ان کی سنہ ۷۸۶ھ میں ہوئی۔ مادہ تاریخ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نکلتا ہے حسب وصیت مزار خام بنایا گیا۔ لاہور میں آپ میراں بادشاہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور باوجودیکہ آپ کے انتقال کو ساڑھے پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے لاہور کے لوگ اب تک آپ کے معتقد ہیں۔ لودھیوں کی عملداری (از سلطان بہلول لودھی تا ابراہیم لودھی ۷۶ سال سنہ ۸۵۵ھ لغایت سنہ ۹۳۲ھ) میں امیر الامراء نادر خان نے جب اپنی حویلی تعمیر کی تو آپ کے مزار کو اپنی حویلی میں لے لیا۔ اور گرد اس کے ایک گنبد خشتی بنوا دیا۔ سنہ [illegible]ھ میں جب نواب

۱؎ معلوم نہیں یہ محلہ کہاں واقع تھا۔ اب رنگ محل کے نام سے ایوب شاہ اور ... شاہ کا ایک محلہ موجود ہے

وزیر خان نے لاہور میں مسجد بنوانے کا ارادہ کیا۔ تو اس حویلی کو خرید کر داخل مسجد کیا۔ اور مزار حضرت سید اسحاق کا بعمارت موجودہ زمین دوز تیار کرایا ؛

مُلا پیر محمد واعظ محمد معظم یعنی بہادر شاہ شاہ عالم اول کے اوائل عہد حکومت اور شہنشاہ عالمگیر کے آخری ایام میں لاہور میں بڑے نامور عالم تھے۔ پیر محمد صرف "مُلّا" اور "واعظ" ہی نہ تھے۔ بلکہ صاحبِ علم ہونے کے علاوہ صاحب سیف و قلم بھی تھے۔ بہادر شاہ کے عہد میں جب گورو گوبند سنگھ کو ۱۷۰۸ء میں بمقام دہلی کسی پٹھان نے قتل کر دیا۔ اور جب گورو گوبند[1] نامی بیراگی نے اپنے گرو کی ہلاکت پر انتقام کیلئے رہزنی اور لوٹ مار کا پیشہ اختیار کیا۔ اور سکھوں کی جمعیت فراہم کر کے ہزارہا مسلمانوں کو قتل اور صدہا مسجدوں۔ خانقاہوں اور اسلامی عماراتوں کو مسمار کر دیا۔ اور سرہند، سہارنپور اور لوہگڑھ اور دوابہ پر قبضہ کرنے کے بعد لاہور کی لوٹ مار کا ارادہ کیا۔ تو شہر لاہور کے صوبیدار سید اسلم نے جن لوگوں کو فوج کی افسری پر مامور کیا۔ اُن میں ایک ملا پیر محمد واعظ بھی تھے۔ قدیم شاہی عیدگاہ اس زمانہ میں ریلوے[2]

[1] بندہ کے ظلم ستم اور بیکسی سفاکیوں اور خونریزیوں کی داستان بڑی جگر خراش ہے۔ وہ ظالم نہ مسلمان عورتوں کو چھوڑتا نہ مسلمان بچوں کو مسلمانوں کا قتل ... اُسکے قلب کی خوشی کا باعث تھا۔ مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا دیتا۔ مسجدوں کو جلا دیتا۔ کسی پر رحم نہ کرتا۔ اسکی فوج کا اندازہ مختلف انگریزی مورخوں کے اقوال کے مطابق ۳۵ ہزار۔ ۴۰ ہزار اور ۵۰ ہزار تک کیا جاتا ہے۔ فرخ سیر ۱۷۱۳ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں نواب عبد الصمد خان دلیر جنگ اور نواب ذکریا خان خان بہادر جو یکے بعد دیگرے لاہور کے ناظم رہے ... سکھوں سے انتقام لیا۔ اور گورو بندہ گرفتار ہوا۔ سکھوں کے لطور نشان فتح پہلے لاہور اور بعد میں دہلی بھجوایا۔ فرخ سیر نے پہلے اُن کی تذلیل کی پھر ... کو قتل کرایا۔ گورو بندہ کو سخت سزا دی۔ اس کا بیٹا اسکی گود میں بٹھا کر ذبح کیا گیا۔ لوہے کی گرم سلاخوں سے بندہ کی بوٹیاں نوچی گئیں۔ محمد امین خان نے کہا۔ ایسے ظلم نہ کرتے تو اس کا نتیجہ بھی ایسا سخت نہ اٹھاتے۔ کہا جب حکومت اور خلقت میں غرور پیدا ہو جاتا ہے اور بد انتظامی کے آثار نظر آتے ہیں تو ان کی سزا دہی کیلئے بندہ سا کوئی ظالم پیدا ہو جاتا ہے اور جب بندہ سا ظالم بھی اس طرح ظلم پر کمر باندھ لیتا ہے۔ تو اسکی سزا دہی کیلئے پھر تم جیسے صاحب زور و طاقت پیدا ہو جاتے ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ قائم رہتا ہے۔ بغرض پانچ سال کے بعد خلق خدا کو اس ظالم کی بیرحمیوں سے نجات ملی ؛

[2] تاریخ پنجاب مطبوعہ ۱۸۹۱ء مصنفہ سید محمد لطیف صاحب میں لکھا ہے۔ افسوس ہے۔ یہ قدیم عمارت جو شالامار باغ اور لاہور کے درمیان واقع تھی اُسکے انطباع کتاب ہذا تک منہدم ہو گئی۔ جب کبھی جہانگیر، شاہجہان، اورنگ زیب اور بہادر شاہ شاہ عالم اول لاہور آتے تھے۔ اور جب کبھی عیدین کا موقعہ ہمیں لاہور میں آیا ہے۔ نہایت شان و شوکت اور شاہانہ تجمل کیساتھ انہوں نے عیدین کی نماز اسی عیدگاہ میں ... اب کھنڈرات تک بھی نظر نہیں آتے اور جس کا جائے وقوع تک بھی معلوم نہیں ہو سکتا اور اسی میں ملاقات شاہنشاہان ہند کے شہزادگان عالی تبار اور صوبیداران لاہور بھی اسی عیدگاہ میں شاہانہ مراسم کے ساتھ آتے تھے۔ سکھوں کے زمانہ میں اس کے کچھ آثار قائم تھے۔ انگریزوں کے زمانہ میں وہ کچھ آثار بھی نہ رہے۔ معلوم ہوتا ہے جس میدان میں یہ عیدگاہ تھی وہ میدان اسٹیشن کی حد ہو گیا ہے۔ ... اب خاک ؛ یہی بستی خیمہ جنت کبھی تھی۔

میثرع اوراس کے ملحقات کے قریب تھی۔ وہاں سکھوں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا۔ سکھ شہر پر قبضہ تو نہ کر سکے۔ مگر انہوں نے نقرب وجوار کے دیہاتوں کو دل کھول کر لوٹ لیا۔

مولانا الشیخ العالم حاجی محمد لاہوری جہانگیر کے زمانہ میں آپ فہامہ دوران ہوئے ہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مریدوں اور فیض یافتوں میں تھے۔ مکتوبات حضرت امام ربانی میں مندرجہ ذیل مکتوبات حضرت مجدد رحمۃ اللہ نے آپ کے نام لکھے ہیں۔ مکتوبات ۲۶-۳۲-۳۴-۳۵-۳۶ ایک جگہ حضرت مجدد نے آپ کو مولانا الشیخ العالم حاجی محمد لاہوری کے نام سے خطاب کیا ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کا درجہ حضرت کی نظروں میں کسقدر تھا۔ شیخ العالم کا خطاب بہت بڑا ہے۔ اور اس سے آپ کی فضیلت و بزرگی اور تبحر علمی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

شیخ محمد مفتی لاہوری خود بھی بڑے عالم تھے۔ لیکن زیادہ تر اپنے بیٹے شیخ عبدالمجید کی وجہ سے مشہور ہیں۔ جو حضرت مجدد الف ثانی کے تربیت یافتہ اور مرید تھے۔ مکتوبات مجددی کا مکتوب بست و دوم (۲۲) انہی شیخ عبدالمجید کے نام ہے۔

شیخ محمد مکی لاہوری حاجی قاری موسےٰ کے بیٹے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فیض یافتگان میں تھے۔ ان کے باپ بھی مشہور عالم تھے۔ بست و یکم (۲۱) مکتوبات امام ربانی انہی شیخ محمد مکی کے نام ہے۔

حافظ محمود لاہوری یہ بزرگ بھی علم حدیث و فقہ کے ماہر کامل تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی سے جن کو ظاہری و باطنی فیض پہنچا ہے۔ اُن میں آپ کا نام بھی خصوصیت سے قابل فخر ہے۔ مکتوب ۲۲۵ سے ۲۲۷۔ اور ۲۵۵ حضرت مجدد صاحبؒ نے آپ ہی کے نام لکھے ہیں۔

ملا شیر محمد لاہوری یہ بزرگ بھی عہد جہانگیری میں لاہور کے نہایت نامور اور جید عالم گذرے ہیں۔ حضرت مجددؒ کے فیض یافتہ تھے۔ اور ان سے رسل و رسائل ز بار بار رکھتے تھے۔ چنانچہ مکتوب نمبر ۵۱ آپ ہی کے نام ہے۔

مولوی ابوالفتح لاہوری علوم ظاہری میں صاحب کمال تھے۔ سید شاہ بلاول قادری جن کا مزار لاہور میں پرانے دریا کے کنارے پر ہے علوم عربی و فارسی میں آپ ہی کے شاگرد اور آپ ہی کے [illegible] کے فیض یافتہ تھے۔ شاہ بلاول علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی [illegible]

بھی صاحب کمال تھے۔ ان کے دادا سید عیسیٰ اور باپ سید عثمان کو ہمایوں نے جس کے ساتھ وہ
ہرات سے ہندوستان آئے تھے۔ قلعہ شیخوپورہ مع متعلقات جو اب پنجاب کا ایک نیا ضلع بنا ہے۔ اور
اس زمانہ میں توابع لاہور تھا۔ جاگیر میں دیا۔ شاہ بلاول کی پیدایش شیخوپورہ ہی کی ہے۔ مگر زمانہ اکبر
جب لاہور کی رونق دہ چند ہو رہی تھی۔ آپ لاہور آ گئے۔ اور آخر یہیں کے ہو گئے۔ ۱۰۴۶ھ میں
بعہد شاہجہان انتقال کیا ؎

مولانا ابوالخیر اصل وطن بغداد تھا۔ بعہد شاہجہان وارد لاہور ہوئے۔ میاں محمد حضوری وغیرہ بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ عالمگیر کے زمانہ میں ان کے علم و فضل کا چرچا بادشاہ تک بھی پہنچا
ان کو طلب کیا اور فرمایا۔ تم کو خدا نے علم کی بے بہا نعمت دی ہے۔ اس نعمت سے اوروں کو بھی مستفیض
کرو۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے صوبہ لاہور نے آپ کے قیام و تدریس کے لئے ایک عالیشان مدرسہ تعمیر
کیا۔ جس میں ایک مسجد پختہ گنبددار بھی بنائی گئی۔ طالب علموں کے لئے چاروں طرف حجرے تعمیر ہوئے
اُس زمانہ میں یہی حجرے بورڈنگ یا دارالاقامہ کا کام دیتے تھے۔ اس عالیشان مدرسہ کی فصیل اور دیوار
بھی قلعہ کے طریق پر بنائی گئی۔ حکم ہوا۔ کہ تعلیم مفت جاری ہو۔ اور اُستادوں اور طلباء کے خرچ کا خزانہ
لاہور کفیل ہو۔ مولوی صاحب کی وجہ سے اس مدرسہ کی آبادی و رونق روز بروز بڑھتی گئی۔ اس محلہ کا نام انہی
کے نام سے خیرگڈھ مشہور ہو گیا۔ ایک سو پانچ برس کی عمر میں مولوی ابوالخیر نے بعہد محمد شاہ بادشاہ
و بہ نظامت نواب ذکریا خان خان بہادر وفات پائی۔ اور اسی مدرسہ میں مدفون ہوئے۔ ان کے بعد بھی
ان کے ایک خلیفہ محمد نعیم نامی نے یہ مدرسہ جاری رکھا۔ لیکن محمد نعیم کے انتقال کے بعد سکھوں کی
غارت گری سے جہاں اور محلے ویران ہو گئے۔ درویشوں اور طالب علموں کا یہ محلہ بھی اُجڑ گیا۔ اور یہاں
ایک بیلدار شاہو نامی ۱۱۸۰ھ میں آ رہا۔ جس کے نام پر اب اس کا نام گڈھی شاہو ہے۔ اور جو اب محلہ
کی بجائے ایک موضع ہے۔ راقم الحروف دوران تصنیف کتاب ہذا میں مولانا کی قبر پر حاضر ہوا۔ یہ قبر چند
اور قبروں کے ساتھ ایک چاردیواری کے اندر واقع ہے۔ اور بلند چبوترے پر ہے۔ کوئی پرسان حال
نہیں ہے۔ مولانا کی مسجد بھی دیکھی۔ جہاں حوض یعنی تالاب تھا۔ وہاں بھرتی ڈال کر اب عمارتیں بن گئی
ہیں۔ اور جو جگہ بچ رہی ہے۔ وہی غنیمت سمجھی جاتی ہے ؎

قدوۃ العلماء حضرت محمد شہریار۔ باپ کا نام شیخ محمد اشرف تھا۔ انکے بزرگ حدادی اور نجاری

کا کام کرتے تھے۔ مدفن ان کا ٹانڈہ ضلع ہوشیارپور میں ہے۔ مولوی احمد بخش چشتی یکدل کی غیر مطبوعہ ڈائری میں آپ کا تھوڑا سا تذکرہ درج ہے۔ وہاں لکھا ہے۔ آپ گذر چابک سواراں محلہ قاضی صدر الدین متصل مسجد چینی قبل خانہ شاہ نواز خان[1]۔ حویلی آدینہ بیگ خان[2] کے قریب رہتے تھے۔ ان کے بیٹے محمد بہرہ کا انتقال حج کو جاتے ہوئے رستہ ہی میں ہو گیا۔ محمد بہرہ کا بیٹا محمد قطب الدین اور اس کا بیٹا محمد فیضیاب تھا۔ محمد فیضیاب کا بیٹا محمد فتحیاب مولوی احمد بخش یکدل کے زمانہ میں زندہ تھا۔ آپ نے اس کے علم و فضل کی بھی تعریف کی ہے۔ شہریار کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ عالم متبحر بلکہ فخر العلماء اور قدوۃ العلماء تھے۔ لاہور ہی میں انہوں نے علم حاصل کیا تھا۔ شیخ عبد النبی سامی کے نامور مریدوں میں تھے۔ مولانا محمد شہریار کے دو بیٹے۔ ایک پٹھانی عورت سے بھی تھے۔ نجم الدین اور صدر الدین نام تھا۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں آپ کا سلسلہ درس جاری رہا ہے۔

ایک مرتبہ احمد شاہ ابدالی نے عید کی نماز مسجد وزیر خان میں پڑھی۔ مولوی محمد صدیق امام مسجد نے جن کا ذکر صفحہ نمبر ۱۲ پر درج ہو چکا ہے خطبہ میں اس کو سلطان عادل کہا۔ مولانا شہریار بھی شامل نماز تھے مگر ذرا دور تھے۔ لوگوں نے ان کو خبر کی۔ کہ امام نے اس کو خطبہ میں سلطان عادل کہا ہے۔ حالانکہ اس کی افواج نے شہر والوں پر سخت ظلم و تشدد کئے ہیں۔ اور اس نے کوئی داد رسی نہیں کی۔ آپ امام کے پاس گئے۔ ابدالی بھی وہیں تھا۔ بادشاہ نے قدمبوسی کی۔ آپ نے منع کیا۔ اور فرمایا۔ اوسیاں یعنی اوظالم۔ اوسیاں ترکی زبان میں ظالم کو کہتے ہیں۔ بادشاہ ناراض ہوا۔ اور لاہور سے آپ کو جلا وطن کر دیا۔ آپ مسجد چینیاں والی کے امام تھے۔

[1] نواب زکریا خان خان بہادر صوبہ لاہور کا بیٹا اور نواب عبد الصمد خان دلیر جنگ صوبہ لاہور کا پوتا اور نواب یحییٰ خان صوبہ لاہور کا بھائی تھا ملتان کا وائسرائے تھا۔ ملتان سے آکر بھائی کے ساتھ لاہور میں جنگ کیا اور اسکو دہلی بھگا کر لاہور پر قابض ہو گیا۔ ۱۷۴۷ء میں اسکی تحریک سے احمد شاہ ابدالی نے پہلا حملہ پنجاب پر کیا جب احمد شاہ آیا۔ تو نواب شاہنواز خان مقابلہ کو تیار ہو گیا۔ آخر شکست کھائی اور دہلی بھاگ گیا۔ ۱۷۴۸ء میں شاہنواز خان دہلی سے فوج لیکر میر معین الملک صوبہ لاہور سے لاہور چھیننے کیلئے آیا۔ مگر میدان جنگ میں مارا گیا۔

[2] نواب آدینہ بیگ خان جالندھر کا حاکم تھا۔ پنجاب میں اس کا بڑا زور رہا ہے۔ جب شہزادہ تیمور ابن شاہ زمان درانی خلف احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ سے لاہور نکل گیا۔ اور سکھوں کا زور ہو گیا۔ تو نواب آدینہ بیگ نے سکھوں کو نکالنے اور خود حاکم پنجاب ہونے کے لئے مرہٹوں کو ۱۷۵۸ء میں دعوت دی۔ چنانچہ مرہٹے آئے۔ اور کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے نواب آدینہ بیگ کو اپنی طرف سے پنجاب کا صوبہ مقرر کیا۔ اور آخر پچھتر لاکھ روپیہ سالانہ نذرانہ اس سے مقرر کر کے آپ پنجاب سے چلے گئے۔ اسی سال نواب آدینہ بیگ کا انتقال ہو گیا۔ قبر اس کی بقول مصنف تاریخ پنجاب (خان بہادر سید محمد لطیف) گوجرانوالہ میں ہے۔ آدینہ نگر یعنی دینا نگر (ضلع گورداسپور) اسی کا آباد کردہ ہے۔

شیخ غلام رسول فقیہ ان کے حالات بھی مولوی احمد بخش یکدل مرحوم کی غیر مطبوعہ ڈائری سے ملے ہیں۔ لکھا ہے۔ نیکذات عالم تھے۔ علم فقہ پر بڑا عبور تھا۔ فقیر طبع اور صوفی منش تھے۔ حضرت شیخ محمد شہر یار کے مریدوں میں سے سلسلہ نقشبندیہ میں تھے۔ خطیب اعلیٰ درجہ کے تھے۔ شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی۔ اور خود بھی شعر کہتے تھے سنہ ۱۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ آہ دریغ قطعہ تاریخ وفات ہے۔ شیخ غلام رسول ٹانڈہ والہ کے نام سے مشہور تھے (شاید وہیں سے لاہور آئے ہوں)

حضرت پیر مراد شاہ سنہ ۱۱۸۳ھ میں بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ محلہ کھاری کھوئی اندرون بھاٹی دروازہ سکونت پذیر رہے۔ ماں باپ خاندانی ذی علم تھے۔ اور علم گھر کی میراث تھا۔ اس لئے باوجود اس کے کہ احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور سلطنت مغلیہ کے چراغ سحری ہونے اور سکھوں کی غارت گریوں سے امن وامان مفقود تھا۔ آپ نے ابتدائی علوم میں مہارت تامہ حاصل کر لی سنہ ۱۱۹۶ھ میں آپ کے والد پیر کریم شاہ المشہور ستان شاہ معہ عیال و اطفال لکھنؤ چلے گئے۔ پیر مراد شاہ نے وہاں ہی علوم دین کی تکمیل کی سنہ ۱۲۰۱ھ میں وطن کو روانہ ہوئے۔ رستہ میں شاہجہانپور کے قریب قزاقوں سے لڑتے ہوئے پیر کریم شاہ شہید ہوگئے۔ پیر مراد شاہ بریلی الہ آباد اور پھر لکھنؤ وغیرہ کی سیر کر کے اور بریلی میں حضرت مولانا بدرالدین رہتکی ثم للکھنوی کے ہاتھ پر بیعت کر کے سنہ ۱۲۰۱ھ میں واپس لاہور آئے۔ یہ زمانہ زمان شاہ ابدالی (احمد شاہ ابدالی کے پوتے) کا تھا۔ اور پنجاب اور بالخصوص لاہور میں افغانوں کے حملوں اور سکھوں کی لوٹ مار سے کوئی اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھتا تھا۔ زمان شاہ جب سنہ ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۶ء) میں لاہور سے کابل کو روانہ ہوا ہے۔ تو پیر مراد شاہ نے تاریخ رفتن لکھی۔ جس کے چند اشعار سے لاہور کی اس وقت کی حالت بھی ظاہر ہو سکتی ہے۔

برائے غارت و تاراج پنجاب ۔۔۔ چو دزد آہستہ تر آمد دواں رفت

ز دست جور آں غول بیاباں ۔۔۔ عجب حالت بجان شہریاں رفت

کجا در بتکدہ ناقوس ماندے ۔۔۔ کہ اکثر از مساجد ہا اذاں رفت

مراد از جودت طبع رسائے ۔۔۔ بگفتا ناگہاں شاہ زماں رفت

اسی زمان شاہ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دو توپیں دریائے جہلم سے نکلوانے کے صلہ میں پنجاب کی حکومت بخش دی تھی ؛

آپ اس زمانہ میں جب کہ ملک میں دفتری زبان فارسی تھی۔ اور مدارس میں بھی فارسی تعلیم ہی کا چرچا تھا۔ اردو میں باوجود پنجابی نژاد ہونے کے نہایت اعلیٰ درجہ کی شاعرانہ قابلیت دکھائی ہے۔ آپ کو فارسی اور اردو کی نظم و نثر میں یکساں مہارت تھی۔ مادر بداں اور مراد المحبین انہیں کی تصنیف ہیں۔ افسوس ہے کہ عمر نے وفا نہ کی۔ ورنہ بہت کچھ علمی یادگاریں چھوڑ جاتے۔ ۱۲۹۶ھ میں مریدوں کے ایک گاؤں مردانہ (واقعہ تحصیل رعیہ ضلع سیالکوٹ) میں وفات پا گئے۔ آپ کو اپنے برادر عزیز حضرت قلندر شاہ سے بے حد الفت تھی۔ اکثر منظوم خط و کتابت طرفین سے ہوتی تھی۔ پیر محمد اشرف عالم شاہ صاحب موضع ننہ و کوٹلی پیراں کے جاگیردار اور مولوی غلام دستگیر نامی (لاہوری) مصنف کتب متعددہ آپ ہی کے خاندان سے ہیں۔

پیر قلندر شاہ قریشی

حضرت پیر مراد شاہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ وطن لاہور محلہ کھدی گھوئی تھا۔ ایک عرصہ تک تشنہ کامانِ لاہور کو آبِ زلال سے سیراب کرتے رہے۔ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ لکھنؤ۔ دہلی۔ الہ آباد۔ بنارس۔ بمبئی وغیرہ کی سیر کی۔ آپ سے چند نظمیں یادگار ہیں۔ بیانِ حق جس میں بہ نظم فارسی عقائد اہل سنت والجماعت کا بیان ہے۔ حلیہ شریف رسول کریم فارسی و اردو نظم میں۔ معراج القبول جس میں بہ دلائل واضح معراج جسمانی کا ثبوت ہے۔ مکتوبات۔ دیوان قلندر فارسی۔ آخر الذکر دو کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔

پیر فرخ بخش قریشی

اپنے دونوں متذکرہ صدر بھائیوں کی طرح عربی اور فارسی میں صاحب کمال تھے۔ ان کے کسی خاص درس کا پتہ نہیں ملا۔ لیکن انکی تصانیف معلوم ہوئی ہیں۔ جن میں بعض قلمی ہیں۔ ثمر اللہ شاہ کی مطبوعہ ہے۔ اذکار قلندری کا ایک حصہ بھی چھپ چکا ہے۔ جس میں آپ نے اپنے بھائی قلندر شاہ کے مفصل حالات کے ضمن میں تمام بزرگان خاندان کے مجمل حالات بیان کئے ہیں۔ مثنوی عبید اللہ دراہ ٹملی۔ احوال جنگ سیالکوٹ (نظم فارسی) علاوہ ازیں کچھ مکتوبات بھی ہیں۔

پیر سکندر شاہ قریشی

یہ نوجوان علم و فضل کا پتلا "بزرگی بہ عقل است نہ بسال" کا صحیح مصداق تھا۔ صرف بیس سال کی عمر تھی کہ [illegible] میں انتقال کر گیا۔ سکندر شاہ اپنے تمام بھائیوں سے چھوٹے تھے۔ مگر سب سے پہلے انتقال کر

گئے۔ مذہبی علوم میں واقفیت تامہ تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں جو کچھ ان کی یادگار بصورت
مکتوبات اور چند غزلیات موجود ہے۔ وہ اہل دل کو تڑپا دینے کے لئے کافی ہے۔ ملاحظ
ہوں چند اشعار

نے یابم سراغ خانہ و راہ دیار خود ... چو اشک طفل می رفتم بدامان کنار خود
بتار موئے مژگاں دوختم من چشم حیراں را ... رفو از رشتہ بالا کردہ ام چاک گریباں را
بنزں خیال روئے تو از دل نمے شود ... نقشت چناں نشست کہ زائل نمے شود
اشکم ز سر گذشت و باوج سما رسید ... ایں طفل بے پدر ز کجا تا کجا رسید
شکستہ ام تو چناں کن شکستہ تر نشوم ... خراب و زار و پریشاں ازیں بتر نشوم
تو ابر رحمت و من خشک لب دریا ... ببار زود کہ تا خشک بے ثمر نہ شوم

مولوی عبید اللہ حاکم لاہور احمد شاہ ابدالی کو سکھوں کی شورش کی وجہ سے بار بار پنجاب آنا پڑتا تھا۔ جب وہ آتا۔ تو سکھ جنگلوں غاروں
اور پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے۔ جب وہ چلا جاتا تو پھر نکل آتے اور حاکمان لاہور کو
تنگ کرتے اور ملک میں لوٹ مار کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ جب لاہور سہ حاکمان (گوجر سنگھ۔ لہنا سنگھ
سوبھا سنگھ) کے ماتحت آیا۔ اور شہر میں دو عملی کی بجائے سہ عملی کا راج ہوا۔ تو احمد شاہ پھر کابل
سے باہر نکلا۔ جب شاہدرہ تک آیا۔ تو سہ حاکمان لاہور سر پر پاؤں رکھ کر کہیں غائب ہو گئے
احمد شاہ نے مولوی عبید اللہ کو جس کے علم و فضل کی وجہ سے اہل شہر اس کا بہت ادب کرتے
تھے۔ لاہور کا حاکم بنایا۔ مولوی صاحب مسند درس سے مسند حکومت پر متمکن ہوئے۔ جب وہ چلا گ
تو سہ حاکمان لاہور نے پھر سر نکالا۔ مولوی صاحب نے شہر کے دروازے بند کرا دیئے۔ ایک ما
تک یہی حالت رہی۔ آخر اہل شہر نے تنگ ہو کر خود ہی دروازہ کھول دیا۔ تینوں سردار شہ
میں آ گئے۔ داؤد خاں مولوی صاحب کا نائب تھا۔ سکھوں نے اُسے توقاحہ کے تہ خانہ کے ا
بند کر دیا۔ اور مولوی عبید اللہ صاحب کو ہم وطنی ... تھے۔ اور ان کی فضیلت کی وجہ
کچھ نہ کہا۔ آخر دو ماہ کے بعد مولوی صاحب کی سفارش سے داؤد خان کو بھی چھوڑ دیا۔ ب
واقعہ سنہ ۱۷۹۳ء یا اس کے ایک دو سال پس و پیش کا ہے۔

قاضی نظام الدین قاضی القضاۃ لاہور لاہور کے ایک فاضل اجل بزرگ تھے احمد شاہ ابدالی کے زمانہ سے لاہور کے قاضی چلے آتے تھے۔ سہ حاکمیان لاہور نے بھی ان کی قضا میں کوئی دخل نہ دیا۔ علاوہ قضا کے رجسٹراری کا کام بھی کرتے تھے یعنی وثیقہ جات کی تحریر و تصدیق کا کام بھی آپ کے ذمہ تھا۔ جب ماہ بھادوں سمت ۱۸۵۸ مطابق سنہ ۱۸۰۱ء[1] میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سہ حاکمان لاہور کو نکال کر لاہور پر اپنا قبضہ کر لیا۔ تو اکثر اہلکاران قدیمی اور علما فضلا حاضر خدمت ہوئے۔ قاضی نظام الدین بھی آیا اور اجازت طلب کی کہ آیندہ یہ کام کس طرح ہوگا۔ فرمایا جس طرح یہ کام شاہان اسلام سے تمہارے سپرد رہا ہے اسی طرح اب بھی رہے گا۔ ہر ایک قبالہ کی تصدیق اپنی مہر اور اپنے دستخط سے کرو۔ اور ایسی کوئی بات نہ کرو جس سے رعایا میں جھگڑا اور خرخشہ ہو۔ یہ کہہ کر عہدہ قضا کی پگڑی پہنائی۔ اور خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا۔

اندرون موچی دروازہ کا محلہ قاضیخانہ انہی کے نام پہ ہے۔ سکھوں کے آخری دنوں میں قاضی عظیم الدین صاحب قضا تھے۔ انگریزی عہد کی ابتدا میں قید و تلاشی تک نوبت پہونچی اور قاضی خانہ کی رونق جاتی رہی۔ اب نام ہی نام ہے۔

فاضل لاہوری عرف مولنا عبد الحکیم سیالکوٹی علمائے ہند بلکہ علمائے اسلام کے متعلق جسقدر مستند اور قابل اعتماد تذکرے ہیں ان سب میں مولانا عبدالحکیم کا ذکر ہے۔ سبحۃ المرجان میں خصوصیت سے آپ کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ راقم الحروف اپنے مکرم دوست "مولوی فاضل" مولوی میر کرم شاہ کاشمیری کا مشکر گزار ہے۔ جنہوں نے سبحۃ المرجان سے مولنا عبد الحکیم کے حالات کا ترجمہ کر کے کتاب ہذا میں شامل کرنے کے لئے ارسال کیا ہے۔ مولوی عبد الحکیم کا درس سیالکوٹ یعنی ان کے اپنے وطن میں شروع ہونے سے پہلے لاہور آگرہ میں برسوں تک جاری رہا تھا۔ مولوی حمد اللہ بہاری نے اپنی کتابوں میں ان کا اکثر ذکر کیا ہے۔ اور جہاں ان کا قول نقل کیا ہے

[1] بحوالہ تاریخ لاہور رائے کنہیا لعل مگر بعض تاریخوں میں لکھا ہے۔ کہ رنجیت سنگھ نے سنہ ۱۷۹۹ء میں لاہور پر قبضہ کیا ہے۔

وہاں "فاضل لاہوری" کے نام سے اُن کو یاد کیا ہے۔ اور طبقہ علماء و فضلاء میں اسی نام سے آپ زیادہ تر مشہور ہیں ؀

ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی[1] رح پنجابی[2] اہلِ علم کے پیشوا و امام اور علم و فضل کے روشن ستاروں کے بدرِ تمام ہیں۔ ان کی پیدایش۔ سکونت و معاشرت کا فخر خطّہ سیالکوٹ کو حاصل ہے۔ ہوش سنبھالتے ہی طلبِ علم کی خواہش ہُوئی۔ مولانا کمال الدین کاشمیری ان دنوں سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ ان کے شاگردوں میں شامل ہوئے۔ تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ کہ یہ ہلال بدر کامل ہو کر ایک عالم میں چمکنے لگا۔ ان کی علمی استعداد اپنے پورے کمال کو پہنچی۔ جہانگیر بادشاہ کا دورِ حکومت تھا۔ کہ آپ اشاعت اسلام میں مشغول ہوئے۔ منطق۔ معقول۔ نحو اور علومِ دینیات میں آپ یکتائے زمانہ تھے۔ جہانگیر نے کئی مرتبہ دربار میں بُلوایا۔ اور عطائے انعام و اکرام سے سرافرازی بخشی۔ شاہجہان نے دو دفعہ آپ کو ہموزن روپیہ کے ساتھ ترازو میں وزن بھی کرایا۔ اور وہ روپیہ آپ کو دیا گیا۔ روپیہ کی تعداد ہر دفعہ چھ ہزار تھی۔ علاوہ ان اعزاز و بخششوں کے بطور جاگیر کئی گاؤں عطا فرمائے آپ معاش سے بے فکر ہو کر اپنے قیمتی اوقات کو اعلےٰ درجہ کی تصانیف اور شغلہ تدریس میں صرف کرنے لگے۔ ۱۸۔ ربیع الاوّل ۱۰۶۷ھ کو سیالکوٹ میں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے ؀

طبقۂ علماء میں آپ کی تصانیف بڑی قدر سے دیکھی جاتی ہیں۔ عرب و عجم میں ان کو امتیاز خاص حاصل ہے۔ ہندوستان کی اکثر علمی و مذہبی درس گاہوں میں بھی ان کا سلسلۂ درس و تدریس اب تک جاری ہے۔ آپ نے زیادہ تر حاشیئے اور شرحیں ہی لکھی ہیں۔

---

[1] مولانا کے مفصل و مکمل و دلچسپ حالات کے لئے جن میں عالم جنات۔ اور ان کے ہم مکتبوں حضرت مجدد الف ثانی رح۔ نواب سعد اللہ خاں وزیر شاہجہان اور منشی میر سیالکوٹ کا بھی ذکر ہے راقم الحروف کی کتاب سوانحعمری مولانا عبدالحکیم ملاحظہ ہو ؀

[2] پنجاب اس زمانہ میں دو صوبوں کا مجموعہ تھا صوبہ لاہور جس کی ایک طرف پشاور تک اور دوسری طرف سرہند تک وسیع تھی۔ دوسرا صوبہ ملتان جو سندھ کی حدود تک پھیلا ہُوا تھا ؀

چونکہ لاہور میں بھی آپ کا درس رہا ہے۔ اور اہل لاہور (بزمانۂ اکبر) عرصہ تک آپ کے علم و فضل سے مستفیض ہوتے رہے ہیں اس لئے لاہور کے طبقہ علماء و فضلا میں آپ کا ذکر مناسب سمجھا گیا۔

شیخ احمد لاہوری میر عدل جہانگیر نے اپنی تزک میں ۱۰۲۸ھ کے سفر کشمیر کے دوران میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "دریں منزل منصب میر عدلی را بہ شیخ احمد لاہوری مرحمت نمودم۔ او در ایام شہزادگی من ہم میر عدل بود و در خدمت جمیع اوقات او را یاد ے فرمودم۔ و از مریدان تربیت یافتہ من است" ان سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر ان کا بے حد قدردان تھا۔

حضرت شاہ عنایت قادری شطاری شیخ الشیوخ حضرت شاہ عنایت اللہ صاحب اپنی قوم کے سرتاج اور مسلمانوں کے چشم و چراغ تھے۔ نام محمد عنایت اللہ، کنیت ابو المعارف۔ خاندان کے بزرگ لاہور میں رہتے تھے اور درس و تدریس کا شغل رکھتے تھے۔ آپ کے والد پیر محمد قصور (ضلع لاہور) میں اپنے سسرال کے ہاں جا رہے آپ اسی جگہ ۱۰۵۶ھ میں بعہد شاہجہان پیدا ہوئے پانچ برس کی عمر میں کلام مجید حفظ کیا۔ نو برس کی عمر میں فارسی عربی کی درسی کتابیں پڑھ گئے۔ بارہ برس کی عمر تھی کہ دستار فضیلت حاصل کی علوم ظاہری کے بعد علوم باطنی کا شوق پیدا ہوا بہت سی تلاش و جستجو کے بعد لاہور آ کر حضرت شاہ محمد رضا قادری شطاری کی بیعت کی اور وہ درجہ حاصل کیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں صاحب کمال ہو گئے خزینۃ الاصفیا (فارسی) میں مفتی غلام سرور نے آپ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ شاہ محمد رضا قادری اپنے پیر و مرشد کے حکم سے قصور گئے وہیں سید بلھے شاہ نے آپ سے بیعت کی۔ خلقت کا رجوع چاروں طرف سے ہونے لگا حسین خاں افغان حاکم قصور نے اس اجتماع سے خوفزدہ ہو کر آپ کی مخالفت کی۔ آپ قصور چھوڑ کر لاہور چلے آئے اہل لاہور نے آنکھیں فرش راہ کیں اور جہاں تک ممکن تھا انکی عزت کی۔ لاہور میں تازیست آپ نے جو درس علوم ظاہری و باطنی کا جاری کیا وہ قائم رکھا۔ صدہا بلکہ ہزارہا لوگ مستفیض ہوئے اور عالم و صوفی بن کر نکلے۔ حدائق الحنفیہ میں لکھا ہے آپ فقیہ

فاضل اور صوفی کامل تھے۔ شرح وقایہ کے حواشی المسمی بہ غایۃ الحواشی دو جلدوں میں تصنیف کئے اور کنز الدقایق کی شرح لکھی۔ مولوی صوفی اکبر علی صاحب نامور مصنف سلیم التواریخ لکھتے ہیں علم سلوک (تصوف) میں دو کتابیں آپ کی تصنیف سے راقم کی نظر سے بھی گذری ہیں ایک کا نام دستور العمل ہے جو عملیات کی ایک جامع کتاب ہے دوسری کا نام لطائف غیبی ہے جس میں اوراد و اشغال واذکار درج ہیں آپ کے درس میں قرآن شریف۔ تفسیر۔ حدیث۔ مثنوی مولانا روم۔ اور دیگر کتب تصوف شرح و بسط کے ساتھ پڑھائی جاتی تھیں۔ طالب دور دور سے آتے تھے اور مستفیض ہوتے تھے۔ آپ کے ہاں محفل سماع بھی منعقد ہوتی تھی جس میں دیوان حافظ۔ دیوان مغربی۔ دیوان شمس تبریز۔ احمد جام۔ عراقی اور ملا شاہ وغیرہ عرفائے کاملین کا کلام پڑھا جاتا تھا بعمر ۸۵ سال بعہد محمد شاہ بادشاہ ۱۱۴۱ھ میں آپ بمقام لاہور انتقال کر گئے۔ صاحب حدایق الحنفیہ نے فخر دوران اور صاحب خزینۃ الاصفیا نے "دگر تاج یقین اہل عنایت" سے تاریخ وفات نکالی ہے آپ کے کئی خلفائے کامل ہوئے ہیں لیکن حضرت سید بلھے شاہ صاحب جن کی کافیاں اہل پنجاب کی روحانی غذا ہیں۔ آفتاب عالمتاب ہو کر چمکے۔

حضرت شاہ عنایت کی اولاد اب تک لاہور میں موجود ہے۔ اکثر امامت اور درس قرآن میں مصروف ہیں۔ بعض ملازمت سرکاری میں اعلیٰ عہدوں پر پہنچے ہوئے ہیں۔[1]

مزار آپ کا لاہور میں چڑیا گھر کے قریب ایک کوٹھی کے احاطہ کے اندر ایک اونچے چبوترہ پر زیارت گاہ خاص و عام ہے مزار کی حالت اب وہ تو نہیں جو پہلے تھی اور نہ وہ اراضی معافی کی کہیں موجود ہے۔ تاہم آپ کی اولاد نے جو ایک انجمن بنام انجمن خادمان شاہ عنایت قائم کی ہے اس نے مزار مبارک اور باقی کل قبروں کی مرمت کرادی ہے اور فرش کا احاطہ پختہ بنوا دیا ہے اسی انجمن کے زیر اہتمام ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو حضرت شاہ عنایت کے مزار پر دھوم دھام سے میلہ ہوتا ہے

۳۶۔ قاضی غلام محمد چشتی سبزواری

بزرگ آپ کے علاقہ سبزوار سے نقل مکان کر کے صوبہ ملتان میں آئے اور متصل اوچ شریف

[1] شیخ سراج الدین صاحب پرسنل اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر جنرل پنجاب و شیخ غلام محی الدین تحصیلدار وغیرہ

موضع احمد پور میں آباد ہوئے۔ جب شہنشاہ عالمگیر تک آپ کی شہرت و علمیت اور آپ کی دیانت و امانت کا چرچا پہنچا تو ان کو بلوایا اور لاہور کا قاضی مقرر کیا۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے [ک]ہ وہ کئی برس تک لاہور کے قاضی رہے آپ کو فن طبابت میں بھی مہارت کامل تھی صدہا لوگ فیض اٹھاتے تھے لاہور کی مشہور مبارک حویلی جس میں بزمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ شاہ شجاع معہ اپنی بیگمات کے مقیم تھا اور جس میں اب نواب فتح علی خاں قزلباش رہتے ہیں انہی قاضی صاحب کے برادر زادہ میر ذوالفقار علی کی تعمیر کردہ ہے اسی زمانہ سے یہ خاندان لاہور میں آباد ہے۔ قاضی غلام محمد عربی فارسی اور فقہ و حدیث اور علم منطق و معقول میں درجہ اولیٰ رکھتے تھے اور لاہور کی علمی مجلسوں کی رونق تھے۔

مولانا عبدالعزیز عزت دہلوی ثم اللاہوری

دہلی میں اس نام کے تین اہل علم بزرگ گزرے ہیں ایک مولانا [ش]اہ عبدالعزیز محدث دہلوی ابن مولانا شاہ ولی اللہ ابن شیخ عبدالرحیم جو سب سے زیادہ مشہور [ہ]یں ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے، ۷ شوال ۱۲۳۹ھ کو وفات پائی۔ عرب و عجم اور سارے ہندوستان [م]یں آپ کے علم و فضل کی شہرت ہے۔ دوسرے شیخ عبدالعزیز ابن شیخ حسن بن طاہر جو عہد اکبری کے مشائخ کبار سے تھے۔ عبدالقادر مورخ بدایونی نے بھی آپ سے استفاضہ علمیہ [ک]یا ہے صاحب تصانیف بھی تھے ۶ جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ کو فوت ہوئے۔ قطب طریقت [م]اندہ تاریخ ہے۔ تیسرے مولانا عبدالعزیز عہد عالمگیری کے ممتاز عالم تھے عزت تخلص [ت]ھا۔ شعر بہت اچھا کہتے تھے۔ آپ کے دادا شیخ عبدالرشید عالم جید اور بجانب حضرت شاہ عالمگیر [م]درس مدرسہ اکبر آباد تھے۔ مولانا عبدالعزیز علاوہ دیگر علوم کے اہل تشیع کے ساتھ مناظرہ [ک]رنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آخر عمر میں لاہور چلے آئے تھے یہاں بھی آپ کے علم و فضل کا کمال چرچا ہوا۔ لوگ جوق جوق جمع ہوتے اور فوائد علمیہ حاصل کرتے لاہور ہی میں ۱۰۸۲ھ [م]یں آپ کا انتقال ہو گیا۔ رسالہ فتح العزیز و رسالہ اثبات خلافت و دیگر رسائل آپکی تصنیف سے ہیں [1]

---

[1] اکمل التاریخ حصہ اول صفحہ ۸۳ مرتبہ مولوی محمد یعقوب ضیاء قادری بدایونی

مولوی حافظ غلام رسول چٹ محلیا

بابا حاجی نور محمد[1] لکھیا کی اولاد سے تھے ان کے آباؤ اجداد اکبر بادشاہ کے زمانہ سے لیکر نادر شاہ اور احمد شاہ درانی کے حملوں تک رئیس ابن رئیس گذرے ہیں چٹہ محل (رفیع محل) ان کے عالیشان مکان کا نام تھا اور اسی لیے چٹ محلیا مشہور رہے تھے تجارت و امانت کے ساتھ مولویت کا سلسلہ بھی برابر قائم تھا دنیا کی مستی کے باوجود مردی کو نہیں چھوڑا۔ نسلاً بعد نسلاً ان کے خاندان میں حافظ قرآن ہوتے رہے ہیں۔ مولوی غلام رسول تجارت بھی کرتے تھے اور عصر سے عشا تک مسجد گیلیانیاں میں وعظ اور درس فقہ کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے کامل فقیہہ اور زاہد تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں ان کے درس کا بڑا چرچا تھا۔ ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء میں جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سال وفات ہے لاہور میں انتقال کیا۔ حافظ غلام نبی خوش خواں (وفات ۱۲۶۹ھ) حافظ ایزد بخش خوشنویس جید و ملازم نواب ملتان مقیم لاہور، مولوی کریم الدین فاضل جلیل اور مولوی محمد الدین فوقی مصنف کتب متعددہ چٹ محلیا خاندان ہی سے تھے۔

میاں عبدالوہاب لاہوری

ان کے حالات اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکے کہ شیخ عثمان جالندہری کے خلیفہ تھے اور میاں محمد امین دار کاشمیری کے مرشد اور استاد تھے۔ میاں محمد امین کی مجلس میں علماء و فضلا کا جم غفیر رہتا تھا۔ رسالہ قطرات اور رسالہ ضروریہ ان کی یادگار ہیں کشمیر کے نامی تاجر تھے لیکن علما و صوفیا کی صحبت کا اثر غالب تھا اس لیے دولت وغیرہ سب ترک کر دی تھی۔ ۱۱ رمضان ۱۰۹۸ھ کو عہد اورنگ زیب عالمگیر سرینگر میں انتقال کیا

---

[1] حاجی نور محمد کا مکان لاہور میں اس جگہ تھا جہاں آج کل انار کلی کے عقب اور میو اخبار سٹریٹ کے متصل تکیہ ابلی وال واقعہ ہے حاجی نور محمد لاکھوں اور کروڑوں کی تجارت کرتے تھے پیادہ پا حج کو گئے تھے نہایت نیک اور پارسا تھے ایک مرتبہ شاہجہان لاہور میں تھا اسکو روپیہ کی ضرورت پیش آئی۔ حاجی نور محمد کو بلوایا اور کہا باباجی "مرا مہمے پیش است وحاجت روپیہ بسیار است" حاجی نے فوراً چار کروڑ روپیہ پیش کر دیا۔ بادشاہ نے مہم سے فارغ ہونے کے بعد روپیہ واپس دینا چاہا۔ حاجی نے کہا جب آپ نے مجھے بابا کہا تو آپ میرے بیٹے ہیں اس لیے "این زر قلیل برائے تو حلال و برائے من حرام است" اسی دن سے ان کا نام لکھیا اور ان کے محلہ کا نام لکھی محلہ مشہور ہوگیا۔ شاہجہان باباحاجی کی بڑی عزت و تعظیم کرتا اور بوقت کلام باآبا کے الفاظ سے یاد کرتا تھا ۱۰۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔

مولوی حافظ جان محمد تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ آپ نواب زکریا خاں صوبہ لاہور کی صاحبزادیوں کے استاد تھے یہ زمانہ ۱۱۶۲ھ یا ایک دو سال آگے پیچھے کا ہے حکام وقت ان کے علم و فضل کیوجہ سے انکی بہت قدر کرتے تھے انکے خوان علم سے صدہا لوگ مستفیض ہوئے۔ حضرت حامد قاری کے خادموں میں تھے اور انکی خانقاہ میں ایک عرصہ تک درس دیتے رہے[۵] انکے صاحبزادہ مولوی حافظ رحمت اللہ کے ذریعہ بھی بہت لوگ فضیلت کے مراتب کو پہنچے انکا درس بھی خانقاہ حضرت حامد قاری میں جاری رہا خاندان کی تبلیغ اور انکی ذاتی تقدس کیوجہ سے لوگ انکی بہت عزت کرتے تھے۔ آپکے صاحبزادہ مولوی محمد بخش صحاف نے مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اسکے جانشینوں کے عہد میں تجارت کتب اور صحافی کا ایک عظیم کارخانہ کھولا جسپر ہزاروں روپے ماہوار کا خرچ آتا تھا اور جسمیں سنہار و مصور۔ نقاش۔ خوش نویس۔ اور جلد ساز کام کرتے تھے۔ اس زمانہ میں پنجاب میں چھاپے کا رواج نہ تھا ان کے کارخانہ کی کتابیں معقول قیمتوں پر ایران و خراسان تک جاتی تھیں رائے کنہیا لال نے تاریخ لاہور میں ان کا ذکر کیا ہے۔ مفتی غلام سرور نے گنج تاریخ میں "فارا آمد محمد بخش بہ بہار" سے آپ کا قطعہ تاریخ وفات ۱۲۷۳ھ نکالا ہے خواجہ احد کشمیری (از اولاد حضرت ایشاں) نے کشمیر سے آکر خانقاہ حضرت ایشاں پر قبضہ کیا اور مسجد اور خانقاہ کی مرمت کرا کے مولوی محمد بخش کو اس کا متولی مقرر کیا۔[۵]

ملا عبد الحمید شاہجہانی جس وطن لاہور تھا۔ نہایت عالم فاضل اور مدبر تھے جب شاہجہان نے ان کو اپنی تاریخ لکھنے کے لئے بلوایا ہے تو آپ پٹنہ میں کسی سرکاری خدمت پر مامور تھے۔ شاہجہان نے حکم دیا ابوالفضل نے جس طرز پر اکبرنامہ مرتب کیا ہے اسی نمونہ پر ہماری سلطنت کا حال لکھ

---

[۵] حکام وقت کی قدر افزائیوں نے بھی آپ کو مالا مال کر رکھا تھا۔ آپکی وفات ۷ جمادی الاول ۱۱۹۵ھ کو ہوئی [۵] مولوی محمد بخش صحاف کے مندرجہ ذیل فرزند تھے۔ مولوی حافظ [illegible] بخش۔ مولوی [illegible] اور حافظ خیر الدین۔ مولوی حافظ [illegible] بخش کے پوتے مولوی غلام محی الدین اور حافظ خیر الدین کے پوتے مولوی ظفر الدین لاہور میں موجود ہیں مولوی ظفر الدین قومی کاموں میں نہایت دلچسپی و سرگرمی سے کام کرنے کے باعث لاہور کی مسلم سوسائٹی میں مشہور ہر دلعزیز ہیں۔ مولوی [illegible] کے پوتوں میں میاں جمال الدین و خلف مولوی فیروز الدین ہیں۔ فن مصوری کے علاوہ فوٹو گرافی میں بھی کمال حاصل کیا ہے۔

جائے۔ ملا عبدالحمید سے پیشتر محمد امین قزوینی بن ابوالحسن قزوینی عرف مرزا امینیا کو شاہجہان نے سنہ ۸ جلوس میں اپنے عہد کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا تھا اس نے ابتدائے سلطنت سے دس سال تک کا حال لکھ کر سنہ ۱۰ جلوس میں بادشاہ کی نذر کیا ملا عبدالحمید نے دس سال کے حالات تو پادشاہ نامہ محمد امین قزوینی سے لئے اور سنہ ۱۰ جلوس سے سنہ ۲۰ جلوس شاہجہانی تک کے حالات خود لکھے۔ معلوم ہوتا ہے سنہ ۲۰ جلوس مطابق ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء میں یا تو ملا عبدالحمید کا انتقال ہو چکا تھا یا یہ خدمت اس سے لے لی گئی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ سنہ ۲۱ جلوس سے سنہ ۳۰ جلوس تک کا حال محمد وارث نے لکھا ہے اور ملا عبدالحمید کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ ملا عبدالحمید اپنے زمانہ میں یوں تو تمام علوم پر حاوی تھا مگر تاریخ سے اُسے خاص دلچسپی تھی۔

مولوی نظام الدین عرف پیر مہکا گیارہویں صدی ہجری کے اواخر اور بارہویں صدی ہجری کی ابتدا میں لاہور میں ان کا فیضان علم جاری رہا ہے پیر مہکا ان کو اسلئے کہتے ہیں کہ جو کوئی مہکوں والا ان کے پاس جاتا تھا ان کی دعا سے شفا پاتا تھا اب تک یہ سنت ان کی قبر پر جاری ہے اور وہاں لوگ جاروب اور پھولوں کا سہرا بطور نذر چڑھاتے ہیں مولوی نور احمد چشتی مصنف تحقیقات چشتی نے پانچویں پشت میں اپنے آپ کو ان کے خاندان سے ظاہر کیا ہے وفات مولوی نظام الدین کی ۱۰ صفر سنہ ۱۱۱۷ھ کو بعہد اورنگ زیب عالمگیر ہوئی۔ مقبرہ ان کا متصل موضع گڑھی شاہو جنوب رویہ ریلوے سڑک میاں میر موجود ہے۔ قاضی ضیاء الحق (جن کی اولاد سے مولوی احمد بخش یکدل اور مولوی نور احمد چشتی ہیں) اور قاضی بہار الحق جن کی اولاد اورنگ آباد وغیرہ میں سکونت پذیر ہے آپ کے برادرزادے تھے مولوی ضیاء الحق کا درس بھی لاہور میں جاری رہا ہے۔

امام غلام محمد المشہور امام گاموں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں آپ مسجد وزیر خاں کے امام تھے مہاراجہ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے مسجد وزیر خاں محض آپ کی طفیل اس زمانہ میں سکھوں کے قبضہ اور

مداخلت سے بچی رہی ورنہ بادشاہی مسجد اور سنہری مسجد اور دیگر عمارات شاہی سب سکھوں
کے قبضہ میں تھیں۔ اولیاء کرام اور فقراء باکمال کیطرف آپ کا بڑا رجوع تھا۔ زہد و تقویٰ
میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے قرآن شریف کی کتابت ذریعہ معاش تھی اس سے بھی جو
کچھ بچتا۔ فقراء و اولیا اور طالبان علم پر خرچ کر دیتے۔ وعظ آپ کا بڑا پر تاثیر تھا۔ شیخ
عبداللہ بلوچ جنکا مقبرہ قصبہ مزنگ متصل مسجد کلاں واقع ہے اور جن کا ذکر بھی اسی کتاب
میں درج ہے آپ کے مرشد تھے۔ سلسلہ آپ کا قادریہ تھا۔ شریعت ظاہری اور باطنی
دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ کتاب گنج مخفی آپ کی تصنیف ہے جس کے چند اشعار
درج کیے جاتے ہیں۔

گنج مخفی ست در توائے دلدار — بیخبر زاں نشستۂ چوں مار
خبر شرط است بیا ہم بشنو — پنبہ از گوش خویش بیروں آر
چیست آن پنبہ خواب غفلت تو — باش زیں خواب جان من بیدار
گر تو بیدار باشی اے جانم — پیش تو من عجب کنم گفتار

دوسری کتاب شمس التوحید فارسی نثر میں۔ پنجابی زبان میں بھی آپ کے ابیات
موجود ہیں۔ غریب آپ کا تخلص ہے۔ شب شنبہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ کو آپ وفات[1] پا گئے
اسی تاریخ کو آپ کا ختم اور عرس ہوتا ہے۔ مقبرہ آپ کا بعمارت بلند پختہ مسجد وزیر خان
سے باہر جنوب کی طرف واقعہ ہے آپ کی طول طویل خاندانی امامت کا سلسلہ آپ کے
پڑپوتے مولوی فرزند علی صاحب خلف امام حافظ محمد صاحب پر بوجہ مقدمات ختم ہو گیا۔
امام غلام محمد کے والد کا نام حافظ محمد صدیق تھا جنکا تذکرہ اسی کتاب کے صفحہ ۴۲ میں [illegible]
[illegible] امام محمد صدیق لاہور کے جلیل القدر عالم اور مسجد وزیر خان کے بے نظیر امام تھے۔ احمد شاہ
درانی آپ کے علم و فضل اور کمالات کا بڑا معتقد تھا۔ سلک الدرر بے نقط فیضی کی تفسیر
دار السلام کے [illegible]
صنعت توشیح کا التزام ہے اور خوبی یہ ہے [illegible] علاوہ عبارت [illegible]
سطر بندی کے لحاظ پر چار قسم کی عبارتیں عربی و فارسی کی جداگانہ قسم کی پڑھی جاتی ہیں [illegible]

[1] قطعہ تاریخ۔ غلام محمد مبارک سیرت شد واصل حق جواں نیکنام + خرد گفت سالش کہ ہر سہ طرف۔ بکش از غلام محمد امام ۱۲۴۲ھ

ہدیۃ امام الخطبا۔ اس میں مقامات حریری کے مقابلہ میں بے نقط خطبے لکھے ہیں فن طبابت میں بھی آپ کو دخل تھا چنانچہ دو کتابیں آپ کی علم حکمت میں بھی یادگار ہیں۔ جامع احمدی فارسی کتاب زبدۃ الفرح فی معالجات ضعف الباہ۔ عربی اور فارسی میں آپ شعر بھی کہتے تھے تخلص تارک تھا ایک دیوان آپ کی یادگار ہے جو موسومہ بمزیل الاحزان جس میں فارسی اور عربی کے اشعار بطور پند و نصائح درج ہیں۔ اپنی تصنیف تحذیر الاخوان میں آپ نے اسناد علم حدیث و فقہ کا ذکر کیا ہے اس کتاب میں آپ نے اپنی زندگی۔ تعلیم۔ تصانیف اور استادوں اور دیگر اہل علم حضرات کے حالات درج کئے ہیں سید اسحاق حضرت میراں بادشاہ کی شان میں جن کا مزار مسجد وزیر خاں کے اندر حوض کے پاس ہے آپ نے عربی اور فارسی میں اکثر اشعار تصنیف کئے ہیں از انجملہ چند ایک حسب ذیل ہیں۔ (عربی)

مزارٌ ساطعٌ منہ شعاع الملۃ البیضا — اذا ما ذاتہ صدقاً دعت الباب للنعماء

نعم فی القبر [illegible] عوام الناس اسحاق — مسمی الاسم تریاق لسم الحیۃ الرقطاء

(فارسی)

بیا اے مومن سنی بہ بیت اللہ انار شو — طہارت ساز از خون دل و یاقوت احمر شو

چو رو آری بہ محراب عبادت یاد کن محشر — گدازی از ریاضت نفس را و صد چون زر شو

ز بعضیہ چوں ادا کردی بہ امر حضرت رحماں — یکاں بار از مزار سید اسحاق انور شو

حصول فائدہ از قرب چنیں کامل شود تارک — فدائے آل و اصحاب رسول اللہ اکبر شو

سید چراغ علی شاہ چشتی سبزواری

قاضی غلام محمد قاضی لاہور عہد عالمگیری کی اولاد سے تھے نہایت عالم فاضل اور اپنے عہد کے [illegible] علم حکمت میں بھی مہارت کامل رکھتے تھے ان کے مکان پر طلبا کا ہجوم رہتا تھا۔ دینیات بھی پڑھاتے تھے اور طبابت بھی۔ نہایت خوش شکل جوان تھے اکثر وضیع و شریف طالبان حق نے آپ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ آپ مولوی نور احمد صاحب چشتی مصنف تحقیقات چشتیہ کے زمانہ [illegible] میں زندہ تھے چنانچہ وہ اپنی تصنیف تحقیقات چشتی میں جو غدر ۱۸۵۷ء کے بعد شروع کی گئی اور [illegible] میں چھاپہ میں چھپی تھی۔ لکھتے ہیں۔ چونکہ کچھ عرصہ سے شب و روز ورد

وظایف اور تجرید کی طرف طبیعت زیادہ رجوع ہے اس لیے بارہ تیرہ سال سے آپ نے اناج کھانا چھوڑ دیا ہے۔ اسی کتاب میں آپ کے تین صاحبزادوں کا بھی آپ نے ذکر کیا ہے ایک سید حاکم علی شاہ دوسرے سید بہادر علیشاہ جن کے متعلق لکھا ہے کہ وہ علم طبابت اور نظم و نثر فارسی عربی میں طاق ہیں تیسرے سید نادر علیشاہ۔ سید چراغ شاہ کا تکیہ اور باغیچہ گورستان میانی میں واقعہ ہے۔

مولوی غلام فرید عالم اجل اور فاضل اکمل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ تجرید و تفرید آپ کی طبیعت پر غالب تھی۔ عابد زاہد اور ذاکر تھے سنہ ۱۲۱۶ھ میں وفات پائی۔

میاں زکریا لاہوری شیخ الاسلام مفتی قوام الدین محمد کاشمیری نے جو فقیہہ جید اور محدث کامل تھے اور علماء کے علاوہ آپ سے بھی استفادہ کیا تھا۔ سنہ ۱۱۷۵ھ میں بعہد حکومت درانیہ آپ کے درس کا پتہ چلتا ہے مفتی قوام الدین نے ۹ ذی قعدہ سنہ ۱۲۱۵ھ کو کشمیر میں انتقال کیا۔ مفتی شریف الدین آپ کی یادگار ہیں۔

مولوی غلام رسول مولوی غلام فرید فاضل لاہوری کے بیٹے تھے۔ عالم کبیر فاضل باتوقیر۔ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ خدا نے آپ کی ذات بابرکات کو دریائے فیض اور چشمہ فضل پیدا کیا تھا صدہا آدمی آپ کے وسیلہ سے مرتبہ فضیلت کو پہنچے سنہ ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

مولوی جان محمد لاہوری سنہ ۱۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ حاوی فروع و اصول واعظ۔ متقی۔ عالم باعمل۔ تدریس و تصنیف کا بڑا شوق تھا وعظ میں خاص تاثیر تھی بڑے بڑے پاپی (گنہگار) آتے اور توبہ کرتے اور ہزاروں بے نماز نمازی ہو جاتے تھے پنجاب کے اکثر اضلاع میں آپ کے کثیر التعداد شاگرد تھے آپ سے اکثر تصنیفات بھی یادگار ہیں۔ [illegible] المحرم سنہ ۱۲۶۶ھ کو وفات پا گئے۔ مسجد لوہا ایمان والہ (واقعہ کشمیری بازار لاہور) میں آپ کا درس ہوتا تھا تاریخ لاہور میں لکھا ہے علوم دینی کے زمانے میں ضرب المثل تھے۔

ف مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اسکی ایمانداری و دیانت سے خوش ہو کر ایمان والہ کا خطاب اسے دیا تھا

مولوی غلام اللہ مولوی غلام فرید کے بیٹے اور مولوی غلام رسول کے بھائی تھے آپ کی ذات مظہر کمالات دینی و دنیوی تھی۔ تدریس و تعلیم میں علمائے متقدمین کا نمونہ تھے۔ علوم فقہ و حدیث۔ تفسیر۔ صرف نحو۔ اور منطق و معانی میں آپ نے ہزارہا تشنگان علم کی پیاس بجھائی۔ ۱۲۷۲ھ میں وفات پائی۔ مرجع الفضلا تاریخ وفات ہے۔

مولوی محمد حیات لاہوری عالم فاضل تھے۔ جوانی میں مراد آباد چلے گئے اور وہیں درس گاہ جاری کر دیا۔ لاہوری پنجابی کے نام سے مشہور تھے۔ قاضی مفتی سعد اللہ مراد آبادی (پیدائش ۱۲۱۹ھ وفات ۱۲۹۴ھ) جو شیخ فاضل اور منقول و معقول کے پتلے تھے کتب درسیہ علاوہ مولانا صدر الدین صدر الصدور دہلی کے آپ سے بھی پڑھتے رہے ہیں۔

مولوی حافظ ولی اللہ عالم فاضل فقیہہ۔ متبحر مباحث۔ مناظر۔ واعظ۔ جامع علوم عقلیہ و نقلیہ۔ تردید عقاید نصاریٰ میں بڑے بڑے پادری آپ کے مقابلہ سے چکراتے تھے۔ حافظ آپ کا مشہور عام تھا۔ کتاب کی سطر صفحہ تک یاد رکھتے تھے۔ مولوی غلام رسول مرحوم قلعہ میہاں سنگھ۔ مولوی نور احمد ساکن کھائی کوٹلی اور مولوی احمد الدین بگوی سے آپ نے علوم حاصل کئے۔ ہر جمعہ کو جامع مسجد لاہور میں آپ کا وعظ ہوتا تھا۔ صاحب فتاوے تھے۔ مولوی فقیر محمد جہلمی مرحوم مصنف حدایق الحنفیہ و ایڈیٹر سراج الاخبار جہلم فن مناظرہ میں آپ کے شاگرد تھے۔ ۱۲۸۴ھ میں پادری عماد الدین سے بمقام امرتسر آپ کا ایک تحریری مباحثہ ہوا۔ مباحثہ دینی میں آپ نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں بروز جمعہ ۲۴ جمادی الاول ۱۲۹۶ھ کو آپ نے لاہور میں انتقال کیا۔ تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ حافظ ولی اللہ باوجود نابینا ہونے کے لاثانی عالم تھا

مولوی غلام محمد بگہ والے لاہور میں یہ خاندان نہایت نامور اور باعزت گذرا ہے سکھوں کے عہد حکومت میں ان کا درس دور دور تک مشہور تھا۔ آج ۱۹۱۹ء سے پچاس ساٹھ سال پیشتر مولوی غلام محمد بگہ والے بادشاہی مسجد کے امام تھے اور فقہ و حدیث۔ اصول و معانی کا درس بھی دیتے تھے ان کے درسگاہ میں پنجاب

کے دور دور علاقوں سے تشنگانِ علم آتے تھے۔ اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔ مولوی صاحب بگہ۔ بھیرہ ضلع شاہ پور کے رہنے والے تھے آخر عمر میں اپنے وطن ہی میں انتقال کیا مولوی محمد ذاکر مرحوم جو اسلامیہ ہائی سکول لاہور میں مدرس اور بڑے زاہد و پرہیزگار تھے۔ انہی کے داماد تھے

شیخ عبداللہ بلوچ احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ اور سہ حاکمان لاہور (قبل از ۱۷۹۹ء) کے زمانہ میں یہ بزرگ موضع مزنگ نزیل لاہور کے نامور عالموں میں تھے لاہور کے علما فضلا اور اکثر طالبانِ علم لاہور سے چل کر ان کے پاس تحصیل علم کے لیے آتے تھے۔ مفتی شیخ فیض بخش اس زمانہ کا ایک نامور عالم آپ کی خدمت میں ارادتمندانہ طور سے آتا تھا۔ حافظ غلام محمد عرف امام گاموں امام مسجد وزیر خاں آپ کے مریدوں میں تھا مزنگ کا محلہ کوٹ عبداللہ شاہ آپ ہی نے آباد کیا تھا۔ پنجابی زبان کے نہایت اعلےٰ شاعر تھے سنہ ۱۲۱۲ھ میں انتقال کیا۔ سنہ ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۸ء) میں سردار خاں بلوچ نمبردار مزنگ نے آپ کا مقبرہ بنوایا۔ ایک بہت بڑی مسجد کی بھی اس نے ساتھ ہی بنا رکھی تھی اور مینار بنانے کا بھی ارادہ تھا مگر موت نے مہلت نہ دی۔ شیخ عبداللہ کا مزار مزنگ کے شمال مغربی گوشہ میں اینٹوں کی ایک چار دیواری کے اندر واقعہ ہے۔

مُلا مہدی خطائی علمائے شیعہ بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ مذہب امامیہ کے آپ نامور عالم تھے۔ ملا محمد مقیم تلمیذ شیخ حر عاملی کے شاگردوں میں تھے ارسطو جاہ مولوی سید رجب علی جگراؤنی ملا مہدی کے درس میں سنہ ۱۸۱۹ء میں شامل ہوئے تھے جیسا کہ وہ اپنے حالات (مندرجہ تحقیقات چشتی) میں لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۸۰۶ء میں میری پیدائش ہوئی اور بارہ سال کی عمر میں میں لاہور آیا اور تحصیل علوم کے لیے ملا مہدی خطائی کی درسگاہ میں داخل ہوا جو اس وقت علمائے شیعہ کے ایک جید عالم و فاضل تھے علوم متداولہ رسمیہ کے علاوہ صرف نحو پر ملا مہدی کو بہت بڑا عبور تھا

سائیں سید قطب شاہ حضرت مخدوم جہانیاں کی اولاد سے تھے۔ وطن اوچ شریف سنہ ۱۲۳۲ھ میں یعنی آج سنہ ۱۳۳۲ھ سے ایک سو چھ سال

پیشتر ۱۵ وہیں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر تک آپ عربی فارسی کے علوم درسیہ سے فارغ
ہو چکے تھے بعدازاں اپنے مطالعہ سے ان علوم میں کافی مہارت پیدا کی۔ حضرت خواجہ خدابخش
چاچڑاں والے سے بیعت کی۔ خواجہ سلیمان سنگھڑ والے کے پیر بھائی تھے۔ بعہد مہاراجہ شیر سنگھ
(۰۲ جنوری ۱۸۴۱ء تا یکم فروری ۱۸۴۲ء) لاہور آئے۔ رات مسجد وزیر خاں میں رہکر صبح مزار
حضرت میاں میر پر گئے۔ وہاں حضرت احمد یار شاہ قادری کی تعریف سنی جو کوٹ پھیرو ضلع گوجرانوالہ
کے ایک مرد کامل تھے وہاں جاکر بیعت کی اور فیض یاب ہوئے لاہور میں واپس آنے پر نواب
شیخ امام الدین مرحوم نے متصل چوبارہ چھجو بھگت ایک مکان اور کنواں بنوا دیا۔ مولوی
نور احمد مصنف تحقیقات چشتی ان کے متعلق لکھتے ہیں عجب طبیعت کا مرد ہے۔ ہر وقت قال
الله قال الرسول کا ذکر ہے کلام عارفانہ و فاضلانہ ہے اور با اثر اور جاذبہ والی ہے مگر حیرت
ہے کہ یہ مولوی علم شریعت کا ماہر ہو کر بھنگ اور چرس اور مسکرات کا عادی ہے آمد کا کوئی
ذریعہ نہیں مگر خرچ امیرانہ ہے مولوی نور احمد نے آپ سے ۱۸۴۹ء سے پیشتر بعہد مہارانی
جنداں و مہاراجہ دلیپ سنگھ ملاقات کی تھی لکھتے ہیں علم مجلس علم دین اور علم تسخیر میں
صاحب کمال ہیں ایک مرتبہ حج کو بھی گئے مگر امرتسر میں ۶ ماہ رہ کر واپس آگئے۔

خلیفہ غلام رسول غلام الله یہ دونوں بزرگ بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ نہایت
نامور عالم گزرے ہیں۔ موراں طوائف نے جس پر
مہاراجہ کی کمال مہربانی تھی بلکہ روپے پیسے پر بھی اس کی ضرب لگتی تھی۔ شاہ عالمی دروازہ
کے اندر ۱۲۳۴ھ میں ایک مسجد بنائی تھی چنانچہ قطعہ تاریخ تعمیر مسجد کا جو مسجد کے بیرونی
دروازہ پر لکھا ہوا ہے حسب ذیل ہے ؎

بفضل ایزد و آرائے افلاک	چو موراں مسجدے آراست برخاک
بتاریخ بنائش ہاتفے گفت	شدہ تعمیر للہ مسجد پاک

۱۲ ۳۴

یہ مسجد بہت بلند ہے اور نہایت خوبصورت ہے نیچے دوکانیں ہیں اوپر مسجد ہے
جہاں طلباء اور درویشوں کے رہنے کی جگہ بھی ہے اس زمانہ میں خلیفہ غلام رسول اور
غلام الله دونوں بھائی اپنے علم و فضل کے لحاظ سے پنجاب میں استاد کل کے نام سے پکارے

جاتے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مسجد کی امامت اور درس گاہ سب ان کے سپرد کی
اور گو کسی تاریخ میں اسکا ذکر نہیں ہے لیکن قیاس چاہتا ہے کہ سالانہ وظیفہ یا کوئی
ماہوار رقم بھی ان کے لئے ضرور مقرر کی ہوگی۔ اس زمانہ میں دونوں بھائیوں کی وجہ
سے تمام پنجاب میں اس مسجد و مدرسہ کی شہرت ہوگئی۔ علم فارسی عربی۔ صرف نحو منطق
معانی، حدیث تفسیر کی تعلیم ہوتی تھی اور ہندو مسلمان یکساں شوق سے اسی مسجد
و مدرسہ میں عربی فارسی کی تعلیم حاصل کرتے تھے تمام لوگ کیا ہندو کیا مسلمان اور کیا
سکھ سب خلیفہ صاحبان کا ادب کرتے تھے۔ خود مہاراجہ رنجیت سنگھ جب خلیفہ غلام اللہ کو
بلاتے تو تعظیم دیتے اور بجائے فرش کے کرسی پر بٹھاتے تھے خلیفہ حمید الدین انہی خلیفہ
صاحب کے صاحبزادے تھے جو فاضل اجل اور عالم متبحر تھے اور جو انجمن حمایت اسلام لاہور
کے بانیوں میں سے تھے خان بہادر خلیفہ عماد الدین خلیفہ حمید الدین کے بیٹے تھے جو ۱۱ اگست ۱۹۱۷ء
کو وفات پاچکے۔ اب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی بیرسٹرایٹ لا
اس نامور خاندان کے ایک روشن ستارے ہیں۔

نواب سرافراز خاں نواب مظفر خاں والئے ملتان کے بیٹے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ
نے پنجاب کی اس اسلامی حکومت پر پے در پے حملے کئے
اور ہر حملے میں لاکھوں روپے نذرانہ لیتا رہا لیکن دلی خواہش چونکہ اس حکومت کو مٹا
دینے کی تھی اس لئے بار بار کسی نہ کسی بہانہ سے حملے کرتا رہتا تھا۔ نواب مظفر خاں نے
تنگ آکر مردانہ وار جان دینی مناسب سمجھی چنانچہ ۱۸۱۸ء میں مع پانچ فرزندوں کے میدان
جنگ میں شہید ہوگیا اس کے باقی تین بیٹوں میں سے سرافراز خاں و ذوالفقار خاں لاہور
لائے گئے اور ایک بیٹا امیر باز خاں بہاولپور چلا گیا نواب سرافراز خاں شہزادہ ہی نہ تھے
بلکہ علم و فضل میں اپنی مثال آپ تھے [illegible] برجستہ شعر بھی کہتے تھے لاہور کے
اہل علم کو آپ کی ذات سے بہت فوائد پہنچے آپ اکثر علماء اور طالبان علم کی پرورش
و امداد کرتے تھے آپ کی [illegible] ہوئے تھے نواب عبد المجید
خاں جو لاہور کے نامی رئیس اور [illegible] اور علوم عربی فارسی میں شہرت تامہ رکھتے تھے

نواب سرافراز خاں کے شہید بھائی نواب شاہ نواز خاں کے بیٹے تھے۔ ۲۶ فروردی ۱۹۰۲ء کو انتقال کر گئے

مولوی احمد بخش یکدل چشتی سکھوں کے عہد میں لاہور کے نامی لوگوں میں تھے۔ درس تدریس کا سلسلہ ورثہ سے چلا آتا تھا اس لئے اکثر لوگ ان سے فیضیاب ہوئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کچھ جاگیر بھی دی تھی اور کچھ نقد پنشن بھی۔ سلطنت انگلشیہ کے استحکام (۱۸۴۹ء) پر یہ جزوی معافی اور پنشن جو نسلاً بعد نسلاً تھی صرف ان کے بڑے لڑکے مولوی نور احمد کی حیات تک محدود ہو گئی۔ ۱۸۴۰ء میں مولوی احمد بخش یکدل معہ اپنے فرزند اکبر مولوی نور احمد کے دہلی گئے۔ اور ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ خاتم السلاطین مغلیہ کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل کیا۔ مولوی احمد بخش اردو اور فارسی کے شاعر تھے یکدل تخلص تھا بادشاہ بھی شاعر تھا اور شعرا اور اہل علم کا قدردان۔ مولوی صاحب اور ان کے فرزند کو خلعت عطا کیا۔ اور مولوی صاحب کو فخر الشعرا کا خطاب عطا کرنے کے علاوہ حسب ذیل مہر کندہ کرا کر عطا کی "فضیلت پناہ یکدل آگاہ فخر الشعرا مولوی احمد بخش یکدل فدوی محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی"۔ راقم الحروف نے مولوی احمد بخش یکدل کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک غیر مطبوعہ ڈائری دیکھی ہے جس میں اکثر تاریخی وطبی اور دلچسپ و کار آمد باتیں درج ہیں۔ مولوی یکدل اپنے قابل فرزند مولوی نور احمد کے انتقال کے ناقابل برداشت صدمہ کی وجہ سے ۲ نومبر ۱۸۶۰ء کو انتقال کر گئے مولوی یکدل کے منجھلے بیٹے مولوی محمد علی پُردل (تخلص) تھے انکے تیسرے فرزند مولوی محرم علی صاحب چشتی بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں آپکو اپنے آباواجداد کیطرح صوفیائے کرام سے پوری عقیدت ہے اور انکی خدمت اپنا فخر سمجھتے ہیں انگریزی فارسی اور اردو میں نہایت قابل ہیں اور تینوں زبانوں میں آپکی تحریر کا دہاں اہل قلم میں مانا جاتا ہے نثر و نظم پر آپکو پورا عبور ہے ہر مہینے آپ چھٹی (خواجہ غریب النواز اجمیری) کرتے ہیں گیارہویں بھی دھوم دھام سے ہوتی ہے صحیح معنوں میں آپ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلکر انکا نام روشن کر رہے ہیں بلکہ آپ وکالت کرتے ہیں اور ہائیکورٹ بار کے نامور وکلا میں آپکا شمار ہوتا ہے آپکے صاحبزادہ مولوی قاسم علی چشتی نے گولڑہ شریف میں حضرت پیر سید مہر علیشاہ صاحب سے تعلیم دینی اور لقب فاضل لاہوری حاصل کیا ہے

آپ کے فرزند مولوی محمد علی چشتی کا چند سال ہوئے انتقال ہوا ہے۔

مولانا حضرت محمد فاضل لاہوری بزمانہ شاہجہان لاہور کے ممتاز علماء و فضلاء میں تھے ان کے زہد و اتقا کی وجہ سے بھی لوگ ان کے عقیدتمند تھے۔ مولانا شاہ شرف جن کا ذکر اسی کتاب میں پہلے ہو چکا ہے آپ کے نامور خلفا اور شاگردوں میں تھے۔ مولانا شاہ شرف کے مقبرہ کے پاس بقول صاحب تحقیقات چشتی ایک بہت بڑی مسجد تھی جو اب مسمار ہے اور جس کے کھنڈرات ہی باقی ہیں۔ اس مسجد میں مولانا محمد فاضل کا درس تھا اس درس گاہ سے لاہور اور گرد و نواح کے بیشمار لوگ عالم اجل ہو کر نکلے۔ تعلیم مفت تھی۔ مولانا سلطنت کی طرف سے مدد معاش حاصل کرتے تھے اور بے فکری سے لوگوں کو علمی فیض پہنچاتے تھے۔ بعض کتب میں مولانا محمد فاضل کو مولانا شاہ شرف کا والد بیان کیا گیا ہے۔ تحقیقات چشتی نے صفحہ ۵۹۷ پر خانقاہ شاہ جمالؒ کے ایک مجاور کی زبانی شاہ شرف کو بٹالہ کا نومسلم ظاہر کیا ہے جس نے اپنی بھاوجہ سے ناراض ہو کر فقیری اختیار کر لی تھی اور لاہور میں آکر حضرت محمد فاضل کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ وفات مولانا محمد فاضل کی سنہ ۱۱۳۱ھ بعہد فرخ سیر بیان کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے وہ نہایت طویل العمر تھے۔ اسی کتاب میں صفحہ ۵۹۸ پر لکھا ہے مولانا علاوہ صاحب علم ہونے کے خوشنویسی و کتابت میں بھی صاحب کمال تھے۔ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اکثر قطعات معرفت راقم (یعنی مولوی نور احمد چشتی مصنف تحقیقات چشتی) سنہ ۱۸۶۴ء میں لاہور کے عجائب گھر میں داخل ہوئے تھے۔

ملا فتح الدین لاہوری معلوم نہیں یہ کون بزرگ تھے کب پیدا ہوئے کب انتقال فرمایا کہاں درس دیتا کون کون خوش نصیب لوگ ان سے مستفیض ہوئے۔ ان کے ذریات میں سے بھی کوئی ہے یا نہیں۔ الکمل التاریخ بدایونی (جس میں اولیائے و علمائے بدایوں کے حالات ہیں) کے مطالعہ سے صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی جن کو استاد مطلق بھی کہا جاتا ہے کے زمانہ میں ملا فتح الدین لاہوری نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان کے نامور علماء میں تھے اور مولانا فضل حق کے ممتاز و مخصوص شاگردوں میں تھے۔ چنانچہ صاحب الکمل التاریخ مولانا فضل حق کے نامور شاگردوں میں ملا فتح الدین لاہوری کا ذکر کر کے لکھتے ہیں "ہندوستان میں ان حضرات میں کا ہر شخص چوٹی کے لوگوں میں سمجھا جاتا

ہے ؎ "مولانا فضل حق خیر آبادی کے سال پیدائش و وفات ؎ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے ک[ہ]
ملا فتح الدین سکھوں کے آخری زمانہ اور سرکار انگریزی کے عہد اولیں میں لاہور میں زندہ تھے۔

مجتہد العصر مولانا سید ابو القاسم

آقا سید حسین القمی الکاشمیری کے بیٹے تھے ۱۲۴۹ھ میں بمقام فرخ آباد پیدا ہوئے جبکہ ان کے وال[د]
بسلسلہ تجارت کشمیر سے (بزمانہ واجد علیشاہ بادشاہ اودھ) لکھنؤ آرہے تھے آپ نے فقہ
اصول۔ تفسیر و حدیث میں وہ نام پیدا کیا کہ مجتہد اعظم سلطان العلما آقا سید محمد سے
فاضل ابو القاسم کا لقب حاصل کیا۔ نواب علی رضا خاں قزلباش رئیس لاہور کے زمانہ
میں آپ لاہور آئے۔ جہاں آپ کے علم و فضل کی وجہ سے بڑی قدر ہوئی یہیں
سے آپ حج بیت الحرام و زیارت کربلائے معلیٰ کے لئے روانہ ہوئے۔ عراق عرب
میں اکثر علمائے عصر سے آپ کے مباحثات علمیہ رہے جس سے وہاں فاضل ہندی
آپ کا نام مشہور ہو گیا۔ مشہد۔ شیراز۔ قم۔ کرمان۔ اصفہان کے علماء و مجتہدین
سے ملے۔ اجتہاد کی سند حاصل کی۔ واپسی پر لاہور آ کر جب آپ نے کشمیر
جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو نواب نوازش علی خاں اور نواب ناصر علی خاں نے
روک لیا اور ان کے تمام مصارف کے متکفل ہوئے۔ لاہور میں آپ نے
مذہب شیعہ کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ امامیہ جاری کیا اور امامیہ جامع
مسجد تیار کی جو ۱۳۰۹ھ میں تیار ہوئی۔ پچھتر سال کی عمر میں ۱۲ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ
کو انتقال کیا۔ عام مسلمانان لاہور نے اس دن بوجہ ماتم دکانیں بند کر دیں
اور مدارس اسلامیہ میں تعطیل ہو گئی۔ آپ نے مذہب امامیہ کے متعلق
کئی کتابیں (فارسی میں) لکھی ہیں جن میں تفسیر لوامع التنزیل سواطع التاویل
سب سے زیادہ مشہور ہے۔ جس کو اب آپ کے قابل جانشین مولانا سید
علی الحائری مجتہد العصر مکمل کر رہے ہیں۔ آپکے ایک اور صاحبزادہ ابو الفضل اسنوی بھی ہیں

---

(۱) المکس از تاریخ جمعہ دہلی صفحہ ۹۹ ؎ پیدائش ۱۲۱۱ھ وفات ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ علماء ہند کی مجلس کے سراج منیر تھے
ان کی تصانیف میں شرح سلم قاضی مبارک حاشیہ افق المبین تحقیق الفتاوی ہدیہ سعیدیہ وغیرہ معقول میں بہت مشہور ہیں

لاہور کی گذشتہ اہل علم خواتین

تحقیقات چشتی میں لکھا ہے حضرت مسعود قریشی
...انی حلیمہ المشہور بیوی تنوری کی صاحبزادی تھیں آپ حضرت بی بی صاحبہ پاک...
...نان کی روٹیاں پکایا کرتی تھیں۔ اسلئے بیوی تنوری کے نام سے مشہور ہو گئیں نان پز...
...ہور بیوی تنوری صاحبہ کو اپنا پیشوا اور پیر سمجھتے ہیں اور ان کا نام لیکر کام پر بیٹھتے ہیں آپ
...لمہ فاضلہ تھیں اور پردہ میں بیٹھ کر لوگوں کو درس دیا کرتی تھیں

تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ یہ چھ بیبیاں تھیں۔ ایک جناب مرتضیٰ علیؓ
...بی بی پاکدامناں کرم اللہ وجہ کی صاحبزادی بہ اسم رقیہ المشہور بی تاج باقی پانچ
...صاحبزادیاں (تاج۔ حور۔ نور۔ گوہر۔ شہباز) حضرت عقیلؓ برادر حضرت علیؓ کی صاحبزادیاں تھیں واقعہ
...کربلا کے بعد یہ بی بیاں ہندوستان آئیں اور لاہور میں آکر مقیم ہو گئیں جہاں اس زمانہ میں کسی
...ہندو راجہ کی حکومت تھی۔ سات سو چار آدمی ولی اللہ حافظ قرآن ان کے ہمراہ تھے۔ ان بی بیوں
...کے آنے سے راجہ کا آتش کدہ سرد ہو گیا۔ اس نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا عرب سے چند بیبیاں
...وارد ہوئی ہیں جن کی وجہ سے سرد آتے ہیں اور یہ انہی کے قدموں کی برکت ہے راجہ کا بیٹا بی بیوں کو راجہ کے حکم
...سے لینے آیا انہوں نے انکار کیا۔ بی بی صاحبہ کلاں نے راجہ کے لڑکے کو نظر توجہ سے جو دیکھا
...وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش میں آیا تو مسلمان ہو گیا راجہ کو خبر ہوئی وہ بہت متردد ہوا۔ شہر میں ایک
...شور عظیم مچ گیا۔ بی بیاں خائف ہوئیں اور دعا مانگی بار الہا زمین کو حکم دے کہ پھٹ جائے
...تاکہ ہم سما جائیں اور بے پردگی و بے حرمتی سے نجات پائیں۔ ان کی دعا قبول ہوئی زمین پھٹ
...گئی اور وہ اس میں سما گئیں۔

مولوی غلام دستگیر صاحب نامی نے جو محلہ چاہ بی بیاں میں رہتے ہیں۔ تاریخی واقعات سے
...سطور بالا کی تردید کی ہے چنانچہ راقم الحروف کے پاس آپ نے جو مضمون بھیجا ہے اس میں
...لکھا ہے کہ (۱) جو نام تحقیقات چشتی . . . . وغیرہ کے مصنفوں نے حضرت عقیلؓ کی
...بیٹیوں کے لکھے ہیں۔ ان میں سے کوئی نام آپ کی کسی [illegible] اور آخری دو نام (گوہر شہباز

تو اہل عرب کے ہیں ہی نہیں (۲) یہ بات بھی ناممکن سی ہے کہ ان بی بیوں کو سوائے لاہور کے جو اس زمانہ میں تمام نامسلموں سے آباد تھا اور کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی (۳) بنی اُمیہ کو عورتوں سے کچھ تعرض نہ تھا اور نہ وہ خاندانِ حضرت سید الشہدا کی ایذا رسانی کے درپے تھے (۴) ہندوستان میں آنے کی نسبت وہ مدینہ کی طرف بآسانی جا سکتی اور محفوظ رہ سکتی تھیں۔

پھر آخر کون تھیں؟ اس کے متعلق نامی صاحب لکھتے ہیں یہ بی بیاں حضرت سید احمد توختہ ترمذی کی صاحبزادیاں تھیں جو چھٹی صدی ہجری کے آخری حصہ میں اپنے وطن سے کیچکران آئے جہاں انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح شاہزادہ بہار الدین (ولیعہد مکران) سے کیا جن سے سلطان التارکین شیخ حمید الدین حاکم قریشی ہاشمی پیدا ہوئے جنکا مزار مئو مبارک ریاست بہاولپور میں واقعہ ہے دوسری بیٹی بی بی تاج آپ نے اپنے بھتیجے شاہ زید سے بیاہی اور باقی چار بیٹیاں (حور۔ نور۔ گوہر۔ شہباز) غالباً لاہور میں پیدا ہوئیں۔ جہاں آپ کا انتقال ہوا اور جہاں آپ کا مزار بھی موجود ہے یہ بیبیاں بھی عابدہ و زاہدہ اور علم دین میں درجہ کمال رکھتی تھیں۔ سنہ ۶۱۴ھ تھی کہ چنگیز خانی لشکر جلال الدین یا جمال الدین خوارزمی کے تعاقب میں تاخت کرتا ہوا لاہور پہنچا۔ اور اسے بھی تاراج کیا۔ بی بیوں نے خدا کی درگاہ میں التجا کی کہ ہمیں نامحرموں کی دستبرد سے محفوظ رکھیو۔ چنانچہ زمین نے انہیں اپنے اندر چھپا لیا۔

حضرت سید احمد توختہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں فوت ہوئے۔ ان کا مشہور مزار محلہ چلہ بی بیاں میں جو ان کی بیٹیوں کے مقام چلہ کشی کی وجہ سے موسوم ہے۔ نامی صاحب کے مکان کے اندر ایک طرف واقعہ ہے۔ ان بیبیوں کے فیضِ صحبت سے بہت سی مسلمان عورتوں کو علم دین سیکھنے کا شوق ہوا۔

مزار ان کا قلعہ گوجر سنگھ کے متصل جانب شرق صدہا سال سے زیارت گاہِ خلائق ہے اس احاطہ میں اہالیان لاہور اپنی اموات کو سپردِ خاک کرنا باعث سعادت سمجھتے آئے ہیں۔ مگر اب عوام کے لئے یہاں ایک قسم کی بندش ہے۔ اور اس کی وجہ حفظان صحت بتائی جاتی ہے۔

---

(۱) سید معین الدین سید مٹھا جن کے نام پر لاہور میں بازار اور محلہ سید مٹھا آباد ہے کے والد کا نام تھا بقول مصنف تاریخ لاہور (رائے بہادر کنہیا لعل) جلال الدین خوارزمی کا سنہ ۶۲۸ھ میں انتقال ہوگیا۔

مخدومہ بیگم عہد شاہجہانی کے امیر کبیر نواب ابوالحسن خان بن آصف خاں کی بیگم تھی۔عربی فارسی کے بیشتر علوم پر حاوی تھی اور علم ادب میں خاص دلچسپی لیتی تھی مبدء فیاض سے طبیعت شاعرانہ پائی تھی۔خلاصۃ التواریخ (مصنفہ منشی سجان سنگھ بٹالوی) میں مخدومہ بیگم کے کمال علم کا حال درج ہے جو شاہجہان کے زمانہ میں لکھی گئی تھی۔مخدومہ بیگم نے اپنے خاوند کی عالیشان قبر تعمیر کرائی جو شالامار باغ اور امرتسر ریلوے روڈ کے درمیان ہے۔متصل مقبرہ نواب علی مردان خاں۔مخدومہ بیگم نے نواب ابوالحسن خاں کے مرنے کے بعد ایک کارخانہ عبادت قائم کیا جس کے منتظم اور نگران حضرت حامد قاری تھے۔اسی کارخانہ کی طرف سے ایک ہزار حفاظ نواب ابوالحسن خاں کی قبر پر ہر روز تلاوت قرآن کے لئے مقرر تھے اس مقبرہ کے ساتھ بے شمار زمینیں اور صدہا چاہات وقف تھے۔محمد شاہ بادشاہ غازی کے زمانہ تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا سکھوں کی غارتگری اور سلطنت مغلیہ کی کمزوری کے ایام میں سب کارخانہ درہم برہم ہوگیا۔بیگم ۱۰۶[illegible]ھ میں انتقال کر گئی اور اپنے خاوند کے پہلو میں دفن کی گئی۔اس مقبرہ کے گرد ایک عالیشان باغ بھی تھا جسکا بہت بڑا کنواں اب تک موجود ہے۔

موتی بیگم اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں یہ نہایت نامور عالمہ عورت لاہور میں گذری ہے نواب خلیل اللہ خاں گورنر لاہور کی لڑکی تھی۔ملا عبدالحمید لاہوری مصنف شاہجہان نامہ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے موتیا بیگم صاحب علم وفضل تھی اس نے مرتے دم تک شادی نہیں کی جب وہ مرگئی تو اس کے باپ نواب خلیل اللہ خاں گورنر لاہور نے نہایت رنج والم کیا۔اور اپنی قابل اور لایق بیٹی کے بقائے نام کے لئے اس کی قبر پر ایک کتبہ لگایا۔افسوس ہے اب اس قبر اور کتبہ کا کوئی نشان نہیں ہے۔بلکہ زمیندار لوگ وہاں زراعت کرتے ہیں یہ قبر ملتان ریلوے روڈ کی طرف تھی اور نہایت خوبصورت تھی۔مقبرہ کا گنبد بشکل بنگلہ تھا اور یہ مقبرہ "مکان بنگلہ" کے نام سے موسوم تھا۔مولوی صادق علی گجراتی جو نہایت مشہور عالم تھے اور جن کا مقبرہ بنام مکان بھورہ یا تہ خانہ متصل مکان نواب جعفر خاں واقع گڑھی شاہو ہے موتی بیگم کے استاد تھے۔

مراد بیگم نواب قمرالدین خاں وزیر محمد شاہ بادشاہ کی لڑکی اور نواب میر معین الملک گورنر لاہور کی بیگم تھی۔ ۱۱۶۵ء میں اپنے خاوند کے انتقال کے بعد اپنے خورد سال لڑکے امین الدین خاں کی سرپرست بن کر پنجاب پر حکمرانی کرنے لگی۔ علوم مروجہ سے کماحقہ واقف تھی۔ بلکہ ان چالوں سے بھی آگاہ تھی جن سے بادشاہ تخت پر بیٹھائے جاتے اور اتارے جاتے ہیں۔ نہایت معاملہ فہم زیرک اور علامۂ دہر تھی اس نے اپنے مدار المہام اور اپنے دربار کے امیر الاعظم نواب میر سید بھکاری خاں بانی سنہری مسجد لاہور کو اپنے محل کے اندر مروا دیا۔ ۱۱۶۵ء تک لاہور میں اسکا خوب طوطی بولتا رہا ہے آخر قید کر کے دہلی بھجوائی گئی۔

شرف النساء بیگم نواب خان بہادر زکریا خاں صوبہ لاہور کی حقیقی بہن اور نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ کی بیٹی تھی۔ عربی اور فارسی کے بہت سے علوم پر حاوی تھی سوائے کتب بینی وکتب خوانی کے اور کسی سے سروکار نہ تھا۔ قرآن شریف کی عاشق تھی۔ اس نے جیتے جی اپنا مقبرہ تیار کرایا جو بلند اور بے زینہ ایک گنبد کی صورت میں بنایا گیا تھا۔ نماز ظہر کے بعد ہر روز وہاں جاتی سیڑھی لگا کر وہاں چڑھتی اور ایک گھنٹہ تک تلاوت قرآن کرتی اور پھر واپس محلات میں آجاتی۔ عالمہ فاضلہ ہونے کے علاوہ جوہر سپاہیانہ بھی رکھتی تھی جب تک زندہ رہی قرآن کے ساتھ تلوار کی بھی عاشق رہی۔ ہمیشہ شمشیر بکمر رہتی مرتے وقت وصیت کی کہ میری قبر اسی گنبد میں ہو اور بالائے قبر قرآن شریف اور میری تلوار جنہوں نے زندگی بھر میرا ساتھ دیا ہے مرنے کے بعد بھی میرے محافظ رہیں۔ مگر افسوس ہے ناخدا ترس سکھوں نے اپنے ہوائی دور دورہ میں وہ دونوں چیزیں محض تعصب کی وجہ سے وہاں سے نکال لیں۔ شرف النساء بیگم کا مقبرہ سرو والے مقبرہ کے نام سے مشہور ہے اور شالا باغ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر گلابی باغ اور مقبرہ حضرت ایشاں کے پاس واقعہ ہے۔

نادرہ بیگم شہزادہ دارا شکوہ کی ہمشیرہ اور شہنشاہ شاہ جہاں کی لڑکی تھی۔ پنجاب چونکہ دارا شکوہ کی جاگیر میں تھا اس لئے وہ اکثر لاہور ہی میں رہتا تھا اس کے محلات اس جگہ تھے جہاں سرائے میاں سلطان اور چاہ میاں سلطان اور چنگڑ محلہ واقعہ لنڈا بازار واقع ہے۔ اسی جگہ چوک دارا شکوہ بھی تھا۔ دارا شکوہ ہر روز حضرت میاں میر اور اپنے پیر حضرت

ملاشاہ کی خدمت میں جاتا تھا۔ اس کی ہمشیرہ عزیزہ بھی دل وجان سے حضرت کی معتقد تھی۔ نو
سال کی عمر تک وہ قرآن شریف کے علاوہ اور مذہبی کتب بھی پڑھ چکی تھی۔ گیارہ برس کی عمر
میں اس کے علم وفضل کا یہاں تک چرچا تھا کہ بہت کم عالموں کو اس کے مقابلہ کی جرات ہوتی
تھی۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ نو سال کی عمر میں وہ حضرت میانمیر کی خدمت میں حاضر
ہوئی۔ اور تادم مرگ ہر روز نماز ظہر کا وضو حضرت کو اپنے ہاتھ سے کراتی رہی۔ جب وہ گیارہ
بارہ سال کی ہو گئی اور اس نے علم ظاہری میں بھی بہت کچھ حاصل کر لیا اور وہ جوان بھی ہو
گئی تو حضرت میانمیر نے ایکدن اس کو کہا۔ اے فرزند اب تو جوان ہو گئی ہے وضو کرانے نہ
آیا کر۔ نادرہ بیگم یہ سن کر واپس چلی گئی۔ جب شام ہوئی تو خیال گذرا شاید مجھ سے کوئی قصور
ہو گیا ہے کہ حضرت نے اس خدمت سے معزول ومحروم فرما دیا ہے۔ جناب الٰہی میں دعا کی کہ
ایسی ذلیل زندگی سے تو مرنا ہی بہتر ہے الٰہی مجھ کو پردہ پوش کر لے۔ خدا کی قدرت سے
اسی رات کو شہزادی بیمار ہوئی اور دن نکلنے سے پیشتر انتقال بھی کر گئی۔ یہ واقعہ ۱۴ شوال
سنہ ۱۰۴۲ھ کا ہے۔ داراشکوہ نے نہایت عالیشان مقبرہ شاہزادی کا تعمیر کرایا۔ مقبرہ بلند چبوترہ
پر ایک بارہ دری کی شکل میں بنایا گیا۔ گرد اس کے ایک وسیع تالاب تھا جس کے چاروں
کونوں پر چار بنگلے ہشت پہلو سنگ سرخ کے بنائے گئے اور شمالی وجنوبی سمت دو عالیشان
ڈیوڑھیاں تعمیر کرائی گئیں۔ تالاب کے چاروں طرف ایسی عراقیں تھیں۔ جن پر گاڑیاں سہولت
سے چل سکتی تھیں۔ تالاب کے ہر طرف ۳۶-۳۶ کوٹھڑیاں لوگوں کے رہنے اور مسافروں کے
قیام کے لیے بنائی گئیں۔ مقبرہ کے مشرق کی سمت تالاب پر ایک پل بھی تھا۔ اس پل کے نیچے
پانی کی روانی کے لئے ۱۳ محرابی دہن بنائے گئے۔ ایسے عالیشان مقبرہ کا اب حشر یہ ہے
کہ تالاب کا نام ونشان بھی نہیں ہے دوران تحریر کتاب ہذا میں راقم الحروف خود اس مقبرہ
پر گیا۔ تالاب میں اب زراعت ہوتی ہے پل کے محراب تو موجود ہیں مگر مٹی اور جھاڑیوں کی وجہ
سے قریبا بند ہیں ایک محراب جو بارہ دری کے متصل ہے ٹوٹا ہوا ہے۔ مصنف تحقیقات
چشتی نے بھی ۱۸۶۷ء میں جس کو آج ۵۷ سال ہو چکے ہیں اس محراب کی شکستگی کا ذکر
کیا ہے قبر بالکل کچی ہے۔ بارہ دری دو منزلہ ہے اور سیڑھیاں بالکل شکستہ ہیں بارہ دری

کے گرد چاروں طرف تا بہ سینہ سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایام حکومت
میں کمال سنگدلی سے وہ سنگ مرمر اتار لیا گیا۔ تالاب کے گرد جو ڈیوڑھیاں اور بنگلے تھے
ان میں سے اب ایک بھی موجود نہیں ہے۔ البتہ ایک جگہ تالاب کے ایک گوشہ پر دروازہ درگاہ
حضرت میاں میر کے متصل ایک چبوترہ کے نشان سے موجود ہیں یہ بارہ دری روضہ کی چار
دیواری کے باہر مشرق کی طرف واقع ہے۔

نورجہاں بیگم[1] اسکا نام شہرہ آفاق ہے۔ اپنے ماں باپ کے نکبت وادبار کے دنوں میں بعالم مسافرت ایک جنگل میں پیدا ہوئی۔ اور آخر جہانگیر کی شہنشاہ بیگم بن
کر ملکہ ہند بنی۔ مرزا غیاث باپ کا نام تھا۔ آصف جاہ جو آخر میں شہنشاہ شاہجہاں کا وزیر بنا بھائی
تھا اصلی نام مہر النساء تھا۔ پہلے علی قلی خاں عرف شیر افگن خاں ایک نوجوان ایرانی کے عقد نکاح
میں آئی جب جہانگیر بادشاہ ہوا تو شیر افگن خاں کے قتل ہونے کے بعد جہانگیر کے محلات
میں داخل ہوئی۔ پہلے نور محل بنی پھر نورجہاں بن کر سارے عالم میں روشن ہوئی۔ ہمیں یہاں
جہانگیر اور نورجہاں کے عشق و محبت کا افسانہ لکھنا منظور نہیں ہے اس لیے ہم صرف مختصر
طور پر اس کی علمی اور دیگر قابلیتوں کا ذکر کرتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ اس کے دم قدم
سے لاہور میں علم و اہل علم کا کسقدر چرچا رہا ہے۔

نورجہاں نے شہزادیوں کے ساتھ قرآن شریف پڑھا۔ پھر فارسی کی معمولی کتابیں تھوڑے
ہی عرصہ میں عربی اور فارسی میں وہ کمال حاصل کیا کہ نہ صرف اس کے بے مثال حسن بلکہ
اس کی ذہانت نے بھی تمام شہزادیوں کے نور بے نور کر دیے۔ نورجہاں کی ماں خود بڑی
عالمہ فاضلہ تھی جہانگیر نے اپنی توزک میں اس کے کمال کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔ عطر
گلاب جہانگیری والدہ نورجہاں بیگم کی ایجاد ہے۔ شہزادیوں کی ہم نشینی۔ ذاتی ذکاوت
ذہانت۔ موجدہ و عالمہ ماں کی تربیت۔ ان سب باتوں نے نورجہاں کو چھوٹی سی عمر ہی
میں ہر فن مولا بنا دیا۔ وہ مصوری و نقاشی بھی جانتی تھی۔ قلعہ میں شہزادیوں کے ساتھ
اس نے فن سپاہ گری بھی سیکھ لیا تھا اور جہانگیر کے ہمراہ اس نے اکثر شکار بھی کیا ہے

[1] نورجہاں کے مفصل حالات کیلئے راقم الحروف کی کتاب حیات نورجہاں و جہانگیر ملاحظہ فرمایئے۔

اور جہانگیر نے اپنی توزک میں اس کے نشانہ کی تعریف بھی کی ہے۔ گھوڑے کی سواری میں بڑی
مشاق تھی عربی اور فارسی خط اس کا بہت اچھا تھا کپڑے پر کشیدہ بہت اچھا کاڑھتی تھی۔ علم
موسیقی سے بھی واقف تھی اور اس کی آواز نے لطافت و کشش نے اس میں ایک خاص جادو
پیدا کر دیا تھا۔ مذہباً شیعہ تھی لیکن اس کے علمی دربار اور اس کے درباری شعرا میں مذہب
کی کوئی تخصیص نہ تھی بلکہ اہل کمال ہونا لازمی تھا۔ جہانگیر سنہ ۱۶۰۵ء میں بعمر ۳۷ سال تخت
نشین ہوا۔ چھٹے سال جلوس سنہ ۱۶۱۱ء میں اس نے مہرالنسا بیگم کو نور محل اور نور محل سے
نورجہاں بنا دیا۔ سنہ ۱۶۲۷ء ۱۰۳۷ھ میں کشمیر سے واپسی پر جبکہ نورجہاں بھی ہمراہ تھی بعمر ساٹھ سال جہانگیر
راستے ہی میں انتقال ہو گیا لاش جب لاہور پہنچی تو جہانگیر نورجہاں کے باغ[1] میں سپرد خاک
کیا گیا۔ جہانگیر کی زندگی میں نورجہاں کی ساری عمر سفر و حضر میں کشمیر۔ لاہور۔ دہلی۔ آگرہ
وغیرہ مقامات میں جہانگیر کے ساتھ گزری ہے مگر اس کے مرنے کے بعد اس نے لاہور
کو اپنا وطن بنا لیا۔ اور خاوند کے مرنے کے بعد بارہ سال تک لاہور میں زندہ رہی۔
شاہجہان نے بادشاہ ہو کر نورجہاں کا ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور ملکی
معاملات سے جن میں ان کا بہت دخل تھا قطعی بے تعلق کر دیا۔ نورجہاں کی حاضر جوابی و شاعری
کے اکثر واقعات مشہور ہیں وہ خود بھی شاعر تھی اور فی البدیہہ شعر بھی کہتی تھی اور شاعروں اور
عالموں کی بڑی قدردان تھی مرزا صیدی۔ سلیم شاعر۔ طالب آملی وغیرہ اکثر شعرا نے
دربار جہانگیری کی طرح نورجہاں کے دربار سے ہزار ہا روپے بطور انعام حاصل کیے
لاہور میں جس قدر علما، فضلا اور صاحب کمال شعرا تھے۔ نورجہاں کی فیاضی و
دستی سے مستفیض ہو رہے تھے بلکہ اس زمانہ میں اور مقامات سے بھی اکثر اہل
نورجہاں کی علم پروری کی وجہ سے لاہور آ گئے تھے اور لاہور ان دنوں علما و
فضلا کا ایک مرکز ہو گیا تھا۔ ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم علما و فضلا کی قدردانیوں پر
ہو جاتی تھی یا بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کرانے اور غربا کی دستگیری پر سنہ ۱۶۳۹ء میں
جہاں نے لاہور ہی میں انتقال کیا اور اپنے خاوند کے پہلو میں دفن ہوئی۔ اپنی قبر
نے اپنی زندگی ہی میں بنوائی تھی۔ ملکہ ہند کی اس آخری آرام گاہ کے ساتھ بھی

[1] باغ: پہلے مہدی خان کا باغ کہلاتا تھا۔

سکھوں نے وہی سلوک کیا جو اپنے دوران حکومت میں انہوں نے دیگر اسلامی عمارات
کے ساتھ کیا تھا۔ ۱۹۰۲ء تک انگریزوں کے عہد میں بھی یہ قبر خراب خستہ حالت میں تھی
اسی زمانہ میں مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی حسرت رئیس بھیکم پور
ضلع علی گڑھ حال معین المہام امور مذہبی دولت آصفیہ حیدر آباد دکن انجمن
حمایت اسلام کے جلسہ پر تشریف لائے۔ انہوں نے نور جہاں کے مقبرہ کی جو حالت
دیکھی اور جو اثر ان کے چوٹ کھائے ہوئے دل پر ہوا۔ اسکا کچھ اظہار انہوں نے اپنی
ایک نظم بعنوان تصویر عبرت میں کیا۔ جس کے چند شعر ذیل میں درج ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ
ہندوستان کی اس عظیم الشان ملکہ جسکا نام ملک کے مروجہ سکہ تک میں بھی درج تھا اُس کی
آخری منزل کا کیا حال ہے؟

ظالموں نے قبر کا تعویذ تک چھوڑا نہیں — کونسا گوشہ ہے یاں تربت کا جو توڑا نہیں
قصر میں جلتی تھیں جسکی شمعہائے عنبریں — حیف روشن اک دیا بھی قبر پر اسکی نہیں
نام روشن ہے جہاں میں آہ جسکا سر بسر — نام کو بھی روشنی آئے نہ اسکی قبر پر
جسنے صدہا خلعت زر دیباؤ اطلس دیدیئے — حیف ترسے اسکی تربت ایک چادر کیلیے
لونڈیوں پر جسکی تھی پوشاک کل زربفت کی — آج دیواریں ہیں اسکے روضہ کی ننگی کھڑی

راقم الحروف نے اس مقبرہ پر ہر قسم کے مویشیوں کو پھرتے دیکھا ہے دیہاتی لوگ یہاں آکر
آرام کرتے اور اپنے مال مویشی چراتے تھے۔ مقبرہ کی حالت قابل عبرت تھی۔ قبر کا تعویذ اس
بے دردی سے اکھاڑا گیا تھا کہ معلوم بھی نہیں ہوسکتا تھا یہ قبر کس کی ہے۔ بھلا ہو مہاراجہ
... ان کا جنہوں نے وطن پرستی کے جذبات سے متاثر ہو کر اس قبر کی مرمت کرا دی اور
گورنمنٹ پنجاب سے بھی کچھ روپیہ دلایا۔ چنانچہ اب مقبرہ کی حالت نسبتاً بہتر ہے اور وہ آثار
... جو اگر آئندہ اور زیادہ تباہ ہونے سے بچ گئی ہے۔ حاذق الملک بہادر حکیم محمد اجمل خاں
دہلی نے سنگ مرمر کا ایک کتبہ بھی لگا دیا ہے جس سے کم از کم اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ
قبر نور جہاں ملکہ ہند کی ہے ایک قبر اور بھی ساتھ ہی ہے جو نور جہاں کی بیٹی کی بیان
... باقی ہے۔

لاہور سے نورجہاں کو کمال محبت تھی جب کبھی جہانگیر کے ساتھ وہ لاہور آئی ہے
نے یہاں بخوشی قیام کیا ہے اس نے ایک وسیع اور عالیشان باغ بھی تیار کیا جہاں
ہانگیر دفن ہے اس نے غالباً مرکانات بھی بنوائے ہونگے کیونکہ وہ بارہ سال تک مسلسل
ہیں رہی لیکن اب انکے کچھ آثار معلوم نہیں ہوتے لاہور کے متعلق نورجہاں کا ایک شعر مشہور ہے ؎

لاہور را بجان برابر خریدہ ایم　　جاں دادہ ایم جنت دیگر خریدہ ایم

سا بیگم مخفی

عالمگیر شہنشاہ ہند کی بیٹی تھی۔ شوال ۱۰۴۸ھ میں پیدا ہوئی پانچویں
برس قرآن شریف شروع کیا۔ اور سات آٹھ سال کی عمر تھی کہ قرآن
ظ بھی ہوگئی۔ اس تقریب پر ملازمین کو انعامات اور خلعت دیئے گئے اور حافظ مریم (شہزادی
کی) کو تیس ہزار اشرفیاں عطا ہوئیں۔ ملا سعید اشرف ماژندرانی کی تعلیم و تربیت
یب النسا بیگم نے فارسی و عربی کتب کے علاوہ علم فقہ و حدیث اور علم ہیئت وغیرہ
م حاصل کئے۔ شہزادی اجرام فلکی کی ماہیت و تشریح پر ایسی مدلل گفتگو کرتی تھی کہ
ے دنگ رہ جاتے تھے۔ ملا اشرف خود شاعر تھا اور زیب النساء کو فطرتاً شاعری سے
ی اس لئے اس نے شاعری میں سب سے زیادہ نام پیدا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے
س نے لکھی وہ عربی زبان کا ایک قصیدہ تھا جو حمد خدا میں لکھا گیا تھا۔
۱۰۹۱ھ میں اورنگزیب نے اپنے بیٹے شہزادہ اکبر کو راجپوتوں کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا
ہ کو راجپوتوں نے باپ سے منحرف کرا لیا مگر شہزادی نے اپنے بھائی سے خبر خیریت کی
بت برابر جاری رکھی یہ بات عالمگیر کو ناگوار گذری۔ عتاب شاہی بیگم پر نازل ہوا
لاکھ روپیہ سالانہ کا جو وظیفہ ملتا تھا وہ بند ہوگیا اور شہزادی کو قلعہ سلیم گڈھ میں
ر دیا گیا جہاں وہ ایک سال تک رہی۔ شہزادی حضرت میاں میرؒ کی مرید تھی اور نہایت
ت اور علم پرور تھی اس نے بڑے بڑے علماء و فضلا کو جمع کر کے تصنیف و
حول رکھا تھا لاہور یا دہلی جہاں ہوتی علماء و فضلا کا مجمع اس کے ساتھ رہتا
ر کا فارسی ترجمہ اس کے عہد میں ہوا۔ زیب المنشآت کتاب [illegible]
کی تصنیف سے بتائی جاتی ہے اس کا ایک بہت بڑا کتب خانہ [illegible] دیوان بھی

اسکا دیوان مخفی کے نام سے فارسی میں موجود ہے جو ہر جگہ مل سکتا ہے اور جس کے متعلق
مصنفین و مورخین میں اختلاف ہے۔ ناصر علی سرہندی۔ مرزا محمد علی صائب۔ ملا طاہر
کاشمیری۔ عاقل خاں رازی۔ نعمت خان عالی۔ پنڈت چندربھان برہمن اسکے ہمعصروں میں
عالمگیر کے زمانہ میں ایکمرتبہ عاقل خان رازی لاہور کا گورنر تھا یہ زمانہ ۱۰۸۱ھ کا تھا۔ عا
بیمار ہو گیا اطبا نے لاہور جانے کی صلاح دی۔ بادشاہ بیگمات سمیت لاہور آیا۔ زیب ال
بھی ساتھ ہی تھی جب وہ لاہور آئی تو علما و فضلا اور شعرا امڈ امڈ کر آنے لگے۔ شعر شاعری ا
علمی مباحثات کا بازار ہر روز گرم ہونے لگا شعرا داد سخن اور علما۔ حظ روحانی حاصل کرنے لگے
زمانہ میں زیب النساء بیگم نے ایک باغ کی بنیاد ڈلوادی جسکی بچی کھچی عمارت چوبرجی کے نام سے
راجہ پونچھ کی کوٹھی کے متصل سڑک نواں کوٹ پر ابھی تک موجود ہے تعمیر کرنے کے بعد زیب ال
نے یہ باغ اپنی دایہ میاں بائی کو بخشدیا تھا جو نہایت عالمہ فاضلہ اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھی زیب الن
بیگم نے بعمر ۶۵ سال ۱۱۱۳ھ میں انتقال کیا۔ اس نے ساری عمر شادی نہیں کی اس لئے اس
علم و فضل اور اسکے نیک نام کے سوا اس کی کوئی یادگار نہیں ہے اس کی وصیت کے
موافق اسکو لاہور میں دفن کیا گیا جس سے وہ دہلی سے کم محبت نہ رکھتی تھی

زیب النسا کا مقبرہ جیسا دلفریب اور دلکش تھا اب اسی قدر ہولناک اور مہیب ہے
اس کے قبرستان اور باغ کے احاطہ میں اب ایک موضع (نواں کوٹ) آباد ہے۔ مقبرہ کی
عمارتیں اور باغ کی دیواریں کچھ تو بانی موضع (مہر محکم دین) نے تباہ کیں سنگ سرخ و سنگ
مرمر کے حسین فوارے حوض۔ شہ نشین اور تعویذ اور فرش تھے وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ویران
کئے۔ شہنشاہ ہند کی اس لاڈلی بیٹی کا مقبرہ جو علم و فضل میں بھی صاحب کمال تھی
آج جس عبرت خیز حالت میں ہے کاش اس کا کچھ اثر ان لوگوں پر بھی پڑے
جو عالیشان مکانات تعمیر کرا رہے اور عیش و عشرت میں مست ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک
دن ہمیں بھی ایسے ہی گوشہ تاریک میں آنا پڑیگا اور یہی حالت ہماری بھی ہو جائیگی جو آج زیب النسا
کی ہے بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اسلئے کہ زیب النساء کا نام اسکی قابلیت و لیاقت اور شہنشاہ
ہند کی علامہ بیٹی ہونے کی وجہ سے آفتاب عالمتاب کیطرح صبح محشر تک چمکیگا۔ تمت بالخیر

